وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

اللہ تعالیٰ کے

بہت اچھے نام ہیں اسے انہی ناموں سے پکارا کرو

شرح اسماء الحسنیٰ

اس کتاب میں

اسماء الحسنیٰ کے معنیٰ، تشریح، خواص اور فوائد تفصیل کے ساتھ
لکھے گئے ہیں جن کے ورد سے اللہ تعالیٰ مشکلات دور
فرماکر خیر و برکت عطا فرماتے ہیں

تاج کمپنی لمیٹڈ ڈاکخانہ تاج کمپنی پوسٹ بکس ۵۳۰ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی اللہ تعالیٰ کے بہت اچھے نام ہیں اسے انہی

فَادْعُوْہُ بِہَا ناموں سے پکارا کرو۔

قرآن کریم کے یہ الفاظ اس پر دلیل ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں اور اپنی مخلوق پر انتہائی مہربان اور کرم فرما ہے کہ اپنے سے مانگنے کا حکم بھی دیتا ہے اور اسکا طریقہ بھی خود ہی تعلیم فرماتا ہے۔ یہ اس کا ایک احسانِ عظیم ہے کہ مخلوق کو خود ہی حکم دیتا ہے کہ میری جناب میں درخواست کرو اور فلاں ذریعہ سے ارسال کرو۔

اور یہ امر روزِ روشن سے زیادہ ظاہر ہے کہ درخواست منظور کنندہ جو طریقہ تعلیم فرمائے گا تو اس طریقہ کار سے قبولیتِ درخواست میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اور جب یہ امر مسلم ہے تو یہ بات بھی خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ اسماء حسنٰی کے ذریعہ جناب کبریائی میں جو بھی درخواست کی جائیگی اسے انشاء اللہ درجہ قبولیت بھی ضرور حاصل ہوگا۔

اسی بناء پر آج تک تمام علماء و اولیاء ہمیشہ اسمائے حسنٰی کا ورد کرتے رہے اور انکے ذریعہ فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہے۔ اور جسے جس طریقہ کار اور جس اسم سے جو جو فیض حاصل ہوا وہ لوگوں کو اسکی تعلیم و تلقین کرتا رہا۔

اس طرح اسمائے حسنیٰ پر بہت سی کتابیں عالمِ وجود میں آئیں لیکن یہ تمام تر ذخیرہ عربی زبان تک محدود تھا۔ اور اُردو میں ابھی تک اسمائے حسنیٰ کے فضائل پر کوئی جامع کتاب عالم وجود میں نہ آئی تھی۔ اور ہر کس و ناکس اس تشنگی کو شدت سے محسوس کرتا تھا۔

ناچیز کے ذہن میں بھی یہ خیال ایک مدت سے جاگزین تھا کہ اسمائے حسنیٰ پر اردو میں کسی عالم سے کوئی جامع کتاب تصنیف کرائی جائے جس سے اس زبردست کمی کا ازالہ ہو سکے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس خدمت دینیہ کے لئے اس نے تاج کمپنی کو منتخب فرمایا اور اس امر کی توفیق بخشی کہ اس کتاب کی (جو اپنی جامعیت اور حسن و خوبی کے لحاظ سے یکتا ہے) بلاک سازی و اشاعت پر زرِ کثیر خرچ کر کے ایک شاندار مثال پیش کرے۔

درگاہ خداوندی میں دست بدعا ہوں کہ وہ ناچیز کی اس حقیری خدمت کو قبول فرما کر میری بخشش و مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ اور اس کتاب کی برکت سے میرے مرحوم والدین اور میرے مرحوم برادران نذیر احمد و بشیر احمد کو اپنی مغفرت و رحمت میں ڈھانپ لے۔ آمین۔

طالبِ دعا۔ عنایت اللہ تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

اسمائے حُسنیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ دعا کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

اعراف

اللہ کے لئے بہترین نام ہیں تم انہی ناموں کے ذریعہ اسے پکارا کرو اور ان لوگوں کا طریقہ چھوڑ دو جو اسمائے خداوندی کے منکر ہیں عنقریب ان لوگوں کو انکے عمل کی سزا دی جائے گی۔

مقصود ربانی یہ ہے کہ جب بھی تم خدا تعالیٰ کی درگاہ میں ہاتھ پھیلاؤ تو تم اسے اسی کے ناموں سے پکارو۔ اپنے فرضی اور مصنوعی ناموں سے اسے یاد نہ کرو۔ اس کی تسبیح بھی انہی اسماء کے ذریعہ ہو۔ اس کا ذکر بھی انہی اسماء گرامی کے ذریعہ کیا جائے اور ان ہی اسمائے گرامی کے ذریعہ اس کی اطاعت و عبادت کی جائے۔ اسی بنا پر شریعت مطہرہ نے نماز میں بھی انہی اسماء کا بار بار اعادہ فرمایا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے اللہ اکبر کی صدا زبان پر جاری ہوتی ہے۔ بندہ پروردگار کے سامنے

عاجزانہ جھکتا ہے تو کہتا ہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ۔ سرِ نیاز خم کرتا ہے تو زبان سے گویا ہوتا ہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔

اور اسی باعث بار بار قرآن مجید میں اس حکم کا اعادہ کیا گیا ہے۔ دُوسری جگہ ارشاد ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (بنی اسرائیل)

آپ فرما دیجئے اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس ذات کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کے نام سے تمہارا جس نام کے ذریعہ جی چاہے پکارو کیونکہ اس کے لاتعداد بہترین نام ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی

اللہ وہ ذات ہے کہ جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کے بیشمار بہترین نام ہیں

سورہ حشر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی

وہی ایک ذات اللہ ہے جو خالق بھی ہے باری بھی اور مصور بھی ہے اور اسکے علاوہ اور بھی بہت سے پاک نام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان تمام آیاتِ کریمہ میں ایک خاص نکتہ کی جانب بھی اشارہ فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ ہر مقام پر لفظ اللہ سے آیت کو شروع فرمایا جس سے یہ چیز خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ اللہ اسم ذات ہے اور باقی اسماء صفاتی ہیں جیسا کہ تمام شخصیتیں اسم ذات سے پہچانی جاتی ہیں، اسی طرح وہ ذاتِ کبریائی بھی لفظ اللہ سے مشخص ہوتی ہے۔ اور یہی نام ہے جس کے ذریعہ اس کی معرفت

حاصل ہوتی ہے۔ اور جس لفظ کے ذریعہ اللہ کی معرفت حاصل ہو وہی اسم اعظم ہونے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اسمائے گرامی ہیں لیکن جس اسم گرامی سے آپ متعارف ہیں اور جو آپ کا ذاتی نام ہے وہ صرف ایک ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

بعینہٖ اسی طرح اللہ مالک بھی ہے، قہار بھی ہے۔ اول بھی آخر بھی ہے لیکن ان صفات کے اظہار کے لئے ہماری زبان پر سب سے پہلے جو لفظ جاری ہوگا وہ اللہ ہوگا۔

پھر ان اسماء کی حُسنٰی کے لفظ سے صفت بیان فرمائی۔ حُسنٰی حسن سے بنا ہے جس کے معنٰی خوبصورتی اور عمدگی کے ہیں۔ یعنی خدا ہی کے نام ہیں جو خوبصورتی وعمدگی، حسن وجمال کے زیور سے آراستہ ہیں اور اوصافِ حسنہ سے متصف ہیں۔

آخر وہ حسن وجمال اور خوبصورتی کیا ہے جس سے خدا تعالیٰ نے انہیں متصف کیا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے ان کے حسن وجمال کی مختلف وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ جو ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات گرامی سب سے اعلیٰ، سب سے بلند، تمام صفات سے موصوف اور تمام نقائص سے منزّہ اور پاک ہے۔ تو جو ذات ایسی ہو کہ ہمہ صفت موصوف ہو اس کے اسماء بھی ہمہ صفت موصوف ہونگے کیونکہ ذات اسماء ہی کے ذریعہ مشخص ومتصف ہوتی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اِن آیاتِ کریمہ میں اپنے مختلف اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

وحدانیت جلال وعزت احسان تخلیقِ ربانی، رحم وکرم اور اپنی ذات کا کسی کے مشابہ
نہ ہونا۔ اور جب انسان خدا کو ان اسمار کے ساتھ پکارتا ہے تو یہ تمام صفات
اس کے سامنے مجسّم ہو کر آجاتی ہیں۔ اور اس کا ایک ایک رونگٹا اس امر کی
شہادت دیتا ہے کہ خدا ہی وہ ذات ہے جو رحمان بھی ہے واحد بھی ہے خالق
بھی ہے اور تمام عیوب سے منزّہ ہے۔

۳۔ اِن اسمار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوصاف کا اظہار فرمایا ہے جن
میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ جیسے وہ اپنی ذات میں یکتا ہے اسی طرح اپنی
صفات میں بھی یکتا ہے۔ نہ خلقت میں اس کا کوئی شریک ہے نہ علم میں۔

اور جن اسمار میں یہ صفات پائی جائیں وہ بدرجہ اولیٰ حسن وجمال سے متصف
ہونگے۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ نے ان اسمار کے ساتھ اپنے آپ کو پکارنے اور یاد کرنے
کا حکم دیا ہے اور یاد کرنے یعنی ذکر کے بھی مختلف مدارج ہوتے ہیں۔ اس لئے مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ذکر کی اقسام بیان کی جائیں تاکہ انسان ان کے ورد کے
وقت ذکر کی اعلیٰ قسم پر عامل ہو سکے۔

اقسامِ ذکر

علمار نے ذکر کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔ ذکر باللسان، ذکر بالقلب، ذکر بالجوارح۔

۱۔ ذکر باللسان۔ یعنی زبان سے ذکر کرنا۔ اس میں بندہ اپنے الفاظ کے ذریعہ
خدا کی حمد وثنا اور عظمت وجلال کا اظہار کرتا ہے۔ یہ ایک ادنیٰ درجہ ہے جو تمام
عام لوگوں میں پایا جاتا ہے۔

۲۔ ذکر بالقلب، یعنی دل سے ذکر کرنا۔ اس کے بھی مختلف مدارج ہیں۔

الف۔ اول یہ کہ انسان خدا کی وحدانیت اور ذات وصفات میں غور کرے اور
اپنے قلب میں ان صفات کو جاگزین کر کے ذکر کرے۔

ب۔ دوسرے خدا تعالیٰ کے احکام۔ اوامر ونواہی، وعدہ وعید پر غور کرے۔
حتّٰی کہ تمام احکامِ خداوندی سے واقفیت حاصل کر کے اس کے اسرار معلوم کرے۔
اس صورت میں اس پر تمام طاعتیں آسان ہو جاتی ہیں اور انسان گناہوں سے
پرہیز کرنے لگ جاتا ہے۔

ج۔ تیسری قسم کا ذکر قلبی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات
کے اسرار معلوم کرنے کی سعی کرے اور اسے ہر ہر ذرہ میں جلوۂ خداوندی کارفرما نظر
آنے لگے۔ اور جب انسان عقل وفکر کے ذریعہ ان اشیار پر نظر کرے تو جلالِ کبریائی
کے پرتو سے لرزنے لگے۔ اور یہ قسم ایک بحرِ بے پایاں ہے جسکی کوئی حد وانتہا نہیں
اور اس قسم کے ذکر کرنے والے پر اسرارِ خداوندی منکشف ہونے لگتے ہیں اور
امدادِ الٰہی اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر آپ اسے کشف والہام
سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

۳۔ ذکر کی تیسری قسم ذکر بالجوارح ہے یعنی زبان کے ساتھ ساتھ تمام
اعضائے انسانی ذکر وعبادت میں مشغول ہو جائیں۔ اور کسی عضو سے کسی وقت
بھی کوئی عمل خلافِ شرع صادر نہ ہو۔ شریعت کے تمام افعال انہی ذکر بالجوارح
پر مبنی ہیں۔ نماز، حج، روزہ وغیرہ۔ اسی باعث اللہ تعالیٰ نے نماز کو ذکر کے
نام سے موسوم کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ — اے مومنو جب نماز جمعہ کی اذان ہو تو تم ذکر اللہ کی طرف دوڑو۔

اس سے یہ بات بھی خوب واضح ہو گئی کہ قرآن میں جہاں جہاں ذکر کا لفظ آیا ہے اس سے خالی ذکر باللسان مراد نہیں بلکہ وہ تینوں اقسام کو شامل ہے۔ اور اکثریت سے ذکر بالجوارح مراد ہے۔ مثلاً ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ — اور گنتی کے چند دنوں (یعنی ایام تشریق) میں اللہ کا ذکر کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے اذکار کی جانب اشارہ فرمایا ہے ایک ذکر باللسان، اور ایک ذکر بالجوارح۔ ذکر باللسان تو وہ ہے جو بندہ ایام تشریق میں اپنی زبان سے اپنے رب کی کبریائی کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ — اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے اور تمام تعریفیں اسی کی ذات کے لئے خاص ہیں۔

اور ذکر بالجوارح یہ ہے کہ حُجّاج کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اس ذکر کے ساتھ ساتھ جمرات پر کنکریاں بھی ماری جائیں۔

آمدم برسر مطلب۔ اس تمہید ضروری کے بعد اب ہم اصل مقصد کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ اور اس سے قبل کہ ہر ہر اسم کی جداگانہ وضاحت کریں ان تمام اسمائے حسنیٰ کی تعداد پر ایک سرسری تبصرہ کرنا بھی ضروری تصور کرتے ہیں۔

تعداد اسمائے حُسنیٰ

یہ بات بھی خوب ذہن نشین فرمالیں کہ اسمائے حسنیٰ ان ننانوے ناموں ہی میں منحصر نہیں جیسا کہ عوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

علماء کا اسمائے خداوندی کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے تین سو نام ہیں۔ اور بعضوں نے ایک ہزار ایک کی تعداد گنائی ہے۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ جتنے انبیائے کرام گذرے ہیں اتنے ہی خدا تعالیٰ کے نام ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایک خاص اسم عطا فرمایا ہے جس کے ذریعہ وہ درگاہِ خداوندی میں امداد کا طالب ہوتا ہے۔ اور انبیائے کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔

لیکن اکثر علماء اور صحابہ کے نزدیک یہ قول قابلِ قبول نہیں۔ بلکہ ان کا اتفاق اس بات پر ہے کہ خدا کے ناموں کی کوئی حد و انتہا نہیں جیسا کہ کلمات اللہ لا انتہا ہیں اسی طرح اسماء اللہ بھی لا انتہا ہیں یہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ اور یہی تمام اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن ان میں سب سے زیادہ معزز و اشرف وہ اسمائے حسنیٰ ہیں جنہیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔

یاد رکھئے کہ تمام اسمائے حسنیٰ چاہے وہ حدیث ترمذی میں مروی ہوں یا

نہ ہوں، تین اقسام پر مشتمل ہیں۔

۱۔ ذاتی نام۔ یہ وہ اسماء ہیں جو ذاتِ خداوندی پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی اگر اس نام کی جگہ کوئی دوسرا نام لیا جائے تو اس کی ذات پر دلالت نہ کرتا ہو اور اسی طرح کسی اور شخص کے لئے وہ اسم مستعمل نہ ہوتا ہو۔ جیسے لفظ اللہ کہ اس ذات کے علاوہ کسی اور کے لئے اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح جب لفظ اللہ بولا جاتا ہے تو سوائے ذاتِ خداوندی کے کوئی اور ذات متصور نہیں ہو سکتی۔

۲۔ صفاتی نام۔ جو خدا کی ذات پر دلالت نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ ان ناموں سے اس کی کسی نہ کسی صفت کا اظہار ہوتا ہو۔ جیسا کہ علیم، خبیر، رحیم اور لطیف وغیرہ

۳۔ فعلی نام۔ اِن اسماء کا مقصود یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی فعل پر دلالت کرتے ہوں۔ جیسے مبدئ، معید، خالق وغیرہ

اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی اسماء ہیں سوائے لفظ "اللہ" کے انہی دو اقسام پر مشتمل ہیں۔ صفاتی یا فعلی۔

حدیث ترمذی میں جو اسمائے گرامی آتے ہیں ہم ذیل میں ان کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔ اور علماء اور عوام کے مابین یہی اسماء "اسمائے حسنیٰ" کے نام سے مشہور ہیں۔

اللہ لا الٰہ الا ھو۔ الرحمان، الرحیم، الملک، القدوس، السلام، المؤمن، المھیمن، العزیز، الجبار، المتکبر، الخالق، البارئ، المصور، الغفار، القھار، الوھاب، الرزاق، الفتاح، العلیم، القابض، الباسط، الخافض،

الرافع، المعز، المذل، السمیع، البصیر، الحکم، العدل، اللطیف، الخبیر، الحلیم، العظیم، الغفور، الشکور، العلی، الکبیر، الحفیظ، الحسیب، الجلیل، الکریم، الرقیب، المجیب، الواسع، الحکیم، الودود، المجید، الباعث، الشھید، الحق، الوکیل، القوی، المتین، الولی، الحمید، المحصی، المبدئ، المعید، المحی، الممیت، الحی، القیوم، الواجد، الماجد، الواحد، الصمد، القادر، المقتدر، المقدم، المؤخر، الاول، الآخر، الظاھر، الباطن، الوالی، المتعال، البر، التواب، المنتقم، العفو، الرؤف، مالک الملک، ذو الجلال والاکرام، المقسط، الجامع، الغنی، المغنی، المانع، الضار، النافع، النور، الھادی، البدیع، الباقی، الوارث، الرشید، الصبور۔

اس حدیث ترمذی میں چند اسرار ہیں جن سے بہت کم لوگوں کو واقفیت ہے ان کا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔

۱۔ یہ تمام اسماء توقیفی ہیں۔ توقیفی کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ جن الفاظ میں کسی قسم کا ردوبدل اور کمی و زیادتی جائز نہ ہو۔ جیسا کہ قرآن ہیں۔ یاد رکھیے کہ احادیث میں جتنی دعائیں مروی ہیں سب توقیفی ہیں۔ ان میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی یا کسی قسم کی تبدیلی ہرگز جائز نہیں۔ اس کی علت و وجہ سے بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی واقف نہیں ہوتا۔ مثلاً الرحمٰن الرحیم کے بجائے الرحیم الرحمٰن کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث میں تبدیلی ہوگی اور حدیث میں جان بوجھ کر تبدیلی کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

۲- آج تک تمام علماء و اولیاء اسی ترتیب سے ان اسماء کا ورد کرتے رہے ہیں- ان پر ان اسماء کی برکات کا جو کچھ وقوع ہوا ہے وہ اسی ترتیب سے ظاہر ہوا ہے۔

۳- اور اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ننانوے ناموں کا ذکر فرمایا- حالانکہ پورے سو کا بھی اظہار فرما سکتے تھے- اس میں خاص نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وتر یعنی طاق ہے- جفت نہیں- اسی باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے-

إِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ فَأَوْتِرُوْا — اللہ طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے تو تم بھی
يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ — اے اہل قرآن نماز وتر پڑھا کرو۔

یہی وہ راز ہے جو وضو میں ہر عضو کو تین تین بار دھویا جاتا ہے- اور یہی وجہ ہے جو رکوع اور سجدہ میں تین تین بار تسبیح پڑھی جاتی ہے- اور اسی باعث حضورؐ ہر کام میں طاق کو پسند فرماتے- سرمہ لگاتے تو تین بار لگاتے، الغرض شریعت میں جتنے احکام وارد ہوئے ہیں ان میں سے اکثریت طاق پر مبنی ہے- مثلاً شب و روز میں پانچ نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور پانچ کا عدد طاق ہے- اور تمام فرض نمازوں کی رکعتیں جمع کیجئے تو سترہ بنتی ہیں اور وہ بھی طاق ہے- تمام سنن اور واجبات جمع کیجئے تو مع وتروں کے طاق ہونگے- مقصود ربانی یہ ہے کہ اگر ہر عدد میں سے جفت جدا کر دیا جائے تو ایک کا عدد باقی رہ جاتے جو وحدانیت خداوندی پر دال ہے- مثلاً تین میں دو کا عدد جفت ہے اسے جدا کر دیجئے تو ایک باقی رہتا ہے- اسی طرح ننانوے میں سے اٹھانوے جفت ہے- آپ اسے جب خارج کرینگے تو ایک باقی رہ جائے گا- یعنی لفظ اللہ- اسی طرح بہت سی عبادات اور

احکام خداوندی اسی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں-

۴- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ اسماء ذکر فرمائے ہیں وہاں بھی یہ ترتیب علی حالہٖ باقی ہے- مثلاً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں جو ان تین ناموں کی ترتیب ہے اس حدیث میں وہی ترتیب واقع ہوئی ہے- ایک مقام پر ارشاد ہے-

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ — وہ بادشاہ ہے پاک ذات ہے سالم ہے
الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ — امن دینے والا ہے نگہبانی کرنے والا ہے زبردست
الْمُتَكَبِّرُ (حشر) — ہے خرابی کا درست کر دینے والا ہے بڑی عظمت والا ہے
هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ — وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے اور وہی ظاہر
وَالْبَاطِنُ (حدید) — ہے اور وہی مخفی ہے۔

اس حدیث میں بھی یہ اسماء اسی ترتیب سے واقع ہیں- اور یہ نکتہ آج تک میری نظر سے کسی کتاب میں نہیں گذرا- بلکہ ان سطور کی تحریر کے وقت میرے دل میں القا ہوا جو عین القائے ربانی ہے-

۵- چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو ان ناموں کو یاد کرے جنت میں داخل ہوگا- اس حدیث کا مقصود و مفہوم کیا ہے- کیونکہ یہ تو ظاہر بات ہے کہ جنت کا دارومدار اعمال صالحہ پر ہے- اگر خالی ان ناموں کے یاد کرنے پر جنت کا دارومدار ہو تو نزول قرآن اور رسالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے- اور اسی اعتراض کی بناء پر تمام علماء اس امر پر تو متفق ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ظاہر الفاظ نہیں- بلکہ اس کا مقصود کچھ اور

ہے۔ اس مقصود کے تعین میں مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ اِن اسمار کو یاد کر کے ان پر عمل پیرا ہونا۔ اور ہر اسم سے جو حکم ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے مطابق عبادت کرنا۔ مثلاً رحمٰن اور رحیم پر عمل یہ ہوگا کہ اپنے میں رحمت کا مادہ پیدا کیا جائے۔ اسی طرح باقی کو قیاس کر لیجئے۔ جب بندہ میں یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو اسکے جنتی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

۲۔ بعض علمار کا خیال ہے کہ ہر اسم کو قرآن میں تلاش کیا جائے اور جس آیت کے ساتھ وہ اسم واقع ہوا ہے اور اس آیت سے جو مفہوم ظاہر ہوتا ہو اس پر بندہ عمل پیرا ہو۔ اس حدیث کا یہ مفہوم ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام علمائے جید کے علاوہ اور کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ اور حدیث عام ہے۔ اس صورت میں حدیث اپنے عموم پر باقی نہ رہے گی۔

۳۔ جو صفات خداوندی ان اسمار کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہیں انسان وہ اپنے میں پیدا کرنے کی سعی کرے۔ مثلاً خدا کا اسم حلیم ہے کریم ہے۔ انسان اپنے میں حلم وکرم کا مادہ پیدا کرے اور اس پر عمل پیرا ہو۔

۴۔ یاد کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے معانی پر غور کیا جائے۔

۵۔ اپنے دل پر ان اسمار کا اثر قبول کیا جائے۔

ان مختلف خیالات کا علمائے کرام نے اظہار فرمایا ہے۔ لیکن اس ناچیز کی رائے یہ ہے کہ تمام اسمار دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ جن کا تعلق عمل سے ہے۔ مثلاً رحمٰن، حلیم وغیرہ تو بندہ کا فرض ہے کہ اپنی ذات میں رحمت وحلم کا مادہ پیدا کرے۔ اور دوسرے وہ اسمار ہیں جن کا تعلق اعتقاد سے ہے۔ مثلاً

خالق، رزاق، معطی وغیرہ۔ اس میں انسان پر یہ چیز عائد ہوتی ہے کہ ان اسمار کے مطابق اپنا عقیدہ درست کرے۔ کسی اور کو خالق، رازق اور معطی تسلیم نہ کرے۔ فافہم

ان اسمار کے علاوہ قرآن مجید اور دیگر احادیث میں اور بھی بہت سے نام آئے ہیں جن کی ہم مختصر سی فہرست پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم ہر ایک کی تفصیلاً کیفیت ذکر کریں گے۔

الرب، رب المشرقین۔ رب المغربین، رب المشارق، رب المغارب، رب العالمین، رب العزة، رب الکعبة، رب جبرئیل، رب میکائیل، رب اسرافیل، رب محمد، رب کل شیءٍ، رب السمٰوٰت والارض، رب الارضین، منزل القراٰن، منزل محمد، منزل التورٰىة، منزل الانجیل، خیر الفاتحین، خیر الحاکمین، خیر الرازقین خیر الفاصلین، منزل، خیر الغافرین، خیر الوارثین، خیر المنزلین، خیر الناصرین، خیر الراحمین، ارحم الراحمین، احکم الحاکمین، اسرع الحاسبین، احسن الخالقین، سریع الحساب، ذو القوة، ذو انتقام، ذو العرش، ذو عقاب، ذو مغفرة، ذو الفضل سریع العقاب، سریع الحساب، فالق، فالق الحب والنوٰی، فالق الاصباح، بدیع، بدیع السمٰوٰت والارض، عالم الغیب والشهادة، علیم بذات الصدور، مالک یوم الدین، غافر الذنب، قابل التوب، شدید العقاب، ذی الطول، فعال لما یرید، رفیع الدرجات، علام الغیوب، مخرج، مخرج الحی، مخرج المیت، عالم، علام، غافر، قابل، هالک، سریع، احسن، اسرع، احکم، ارحم، فعال، شدید المحال،

رب العرش، سمیع الدعاء، المولیٰ، النصیر، اهل التقوٰی، اهل المغفرة، ذو الرحمة، ذو الطول، ذو المعارج، البار، الامر، المدبر، التام، الوافی، الوفی، الفاتح، القاسم، الجواد، المتفضل، المحسن، المعطی، الدافع، الصادق، السامع، المنیر، المنیب، المبین، الکفیل، الجمیل، الراشد، الحنان، المنان، الدیان، المستعان، البرهان، الباهر، الغالب، السید، العادل، الاحد، الفرد، الباری، القدیم، الدائم، القائم، الابد، الاعز، الاعلیٰ، الاکبر، الحافظ، الخلاق، الکافی، الرفیع، القاهر، الملیك، الوتر، الاکرم، الفاطر، الجاعل، القریب، الشاکر، الاله، العالم، المحیط، القدیر، رب العرش الکریم۔ رب السمٰوٰت السبع، رب العرش العظیم، ذو الجود، ذو المجد، ذو العلیٰ، موئل، حرز، اعلم، بدیع العجائب، خالق کل شئ، خالق محمد، خالق السماء۔

یہ کل دو سو اکیاون نام ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ اگر کتب احادیث کی چھان بین کی جائے تو اور بھی بہت سے نام نکل آئیں گے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے خواص و فوائد بے شمار ہیں اور علماء و اولیاء ہمیشہ ان سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک اسم کے خواص و فوائد کا جداگانہ تذکرہ کیا جائے۔ اور جیسا کہ ہم سطور بالا میں کسی مقام پر اشارۃً تحریر کر چکے ہیں کہ لفظ اَللّٰہ اسمِ اعظم ہے۔ اس باعث یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کو اسمِ اعظم کے ذکر سے شروع کیا جائے۔ اور احادیثِ رسولؐ میں جو اس کی کیفیت و تفصیل آئی ہے وہ قارئین کے سامنے پیش کر دی جائے۔ الابتداء منی والاتمام من اللہ ۔

الاسمُ الاعظم

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک شخص کو ان الفاظ میں دُعا مانگتے سُنا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَشْھَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ

اے اللہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی وہ اللہ ہے کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں مگر تیری ذات۔ تو یکتا اور وہ بے نیاز ہے جو نہ جنتا ہے اور نہ اسے کسی نے جنا اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ دعا سُن کر اس شخص سے ارشاد فرمایا کہ تو نے اللہ سے اس نام کے ذریعہ دعا مانگی ہے کہ جب بھی اس اسم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کیا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ وہ سوال عطا فرماتے ہیں۔ اور جب بھی کوئی دعا مانگی جاتی ہے قبول کی جاتی ہے۔

اسماء بنت بریدہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ان دو آیاتِ قرآنیہ میں مخفی ہے۔

وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝

تمہارا خدا ایک ہی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہی رحمٰن و رحیم ہے۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ
اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ زندہ اور تمام اشیا کا بندوبست کرنے والا ہے

تیسری حدیث میں حضرت انس سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آ کر نماز پڑھی۔ اور پھر درگاہِ خداوندی میں اِن الفاظ میں دست بدعا ہوا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ
اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں یقیناً تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی احسان کرنیوالا تو ہی زمین و آسمان کا بنانے والا ہے۔ اے بڑائی والے اور اے عزت والے۔ اے زندہ اے جہان کا بندوبست کرنے والے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے یہ دعا سن کر ارشاد فرمایا۔ اِس شخص نے اللہ کے اُس اسم اعظم کے ذریعہ دعا کی ہے کہ جب بھی اس اسم کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے قبول ہوتی ہے اور جب بھی اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جاتا ہے عطا ہوتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم وہ اسم ہے کہ جب بھی اس کے ذریعہ دعا کی جائے قبول ہوتی ہے اور جب بھی کوئی سوال کیا جائے عطا ہوتا ہے۔ اور اسم اعظم اس دعا میں ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (الانبیاء)
آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں آپ کی ذات تمام عیوب سے منزہ اور یقیناً میں گناہگاروں میں داخل ہوں۔

اِس دعا کو دعائے ذی النون اور دعائے یُونس علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں یہی دعا فرمائی تھی، اور خدا تعالیٰ نے انہیں اس دعا کی برکت سے نجات عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (الانبیاء)
تو نے یونس کو غم سے نجات دی اور مومنین کو ہم اسی طرح غموں سے نجات دیتے ہیں۔

اس آیت کے آخری الفاظ میں اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ جو شخص بھی کسی رنج و مصیبت کے وقت اس دعا کو پڑھے گا، خدا تعالیٰ اسے نجات عطا فرمائے گا۔ علمائے کرام نے اس کے عمل کے بہت سے طریقے تحریر فرمائے ہیں، جن میں سب سے بہتر سوا لاکھ ہے۔ یعنی مُہمات کے لئے اسے ایک لاکھ چوبیس ہزار بار پڑھے۔ چاہے انفرادی طور پر ایک شخص پڑھے یا پُوری جماعت مل کر۔ اِس سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔ حتّٰی کہ خدا تعالیٰ نے بھی اس کی مدح فرمائی ہے اور ہمیشہ علماء کا اِس پر عمل رہا ہے۔

ابن ابی عدی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مَیں نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کے بارے میں دریافت کیا تو میرے پاس جبرئیل علیہ السلام لیکر آئے جو مہر بند تھا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے بھی اسم اعظم سکھا دیجئے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اسم اعظم عورتوں، بچوں اور بیوقوفوں کو تعلیم دینے سے منع فرمایا ہے۔

نیز ابن ماجہ میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک بار نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو ان الفاظ میں دعا کرتے سنا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ الطَّاهِرِ الطَّيِّبِ الْمُبَارَكِ الْاَحَبِّ اِلَيْكَ الَّذِیْ اِذَا دُعِيْتَ بِهٖ اَجَبْتَ وَاِذَا سُئِلْتَ بِهٖ اَعْطَيْتَ وَاِذَا اسْتُرْحِمْتَ بِهٖ رَحِمْتَ وَاِذَا اسْتُفْرِجْتَ بِهٖ فَرَّجْتَ۔

اے اللہ میں آپ سے تیرے پاک وصاف اور مبارک نام کے ذریعہ سوال کرتا ہوں۔ وہ نام جو آپ کو بہت محبوب ہے اور جس کے ذریعہ جب بھی آپ سے دعا کی جاتی ہے تو آپ قبول فرماتے ہیں جب آپ سے سوال کیا جاتا تو آپ عطا فرماتے۔ جب آپ سے رحمت طلب کی جاتی ہے تو رحمت فرماتے اور جب بھی اس کے ذریعہ آپ سے کشادگی طلب کی جاتی ہے تو آپ کشادگی فرماتے ہیں۔

اس دعا کے کچھ عرصہ بعد نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے مجھ سے ارشاد فرمایا اے عائشہ کیا تو یہ بات جانتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے وہ اسم اعظم سکھا دیا ہے جس کے ذریعہ تمام دعائیں قبول ہوتی ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے بھی سکھا دیجئے۔ آپنے ارشاد فرمایا اے عائشہ وہ تیرے لئے مناسب نہیں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں یہ سُن کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی اور کچھ دیر کے بعد پھر آپ کی خدمت میں گئی اور آپ کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور پھر وہی

سوال عرضِ خدمت کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ اگر میں تجھے وہ اسم بتا دوں تو میں تیرے لئے یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ تُو اسکے ذریعہ خدا سے دنیا طلب کرے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں یہ جواب سُن کر حضور کی خدمت سے اٹھی، جا کر وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور یہ دُعا مانگنی شروع کی:-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَدْعُوْكَ اللّٰهَ وَاَدْعُوْكَ الرَّحْمٰنَ وَاَدْعُوْكَ الْبَرَّ الرَّحِيْمَ وَاَدْعُوْكَ بِاَسْمَائِكَ الْحُسْنٰى كُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ اَنْ تَغْفِرَلِیْ وَتَرْحَمَنِیْ

اے اللہ میں تجھ کو اسم اللہ کے ذریعہ، اور اسم رحمان اور اسم بر کے ذریعہ پکارتی ہوں اور تجھے تیرے اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ پکارتی ہوں میں جانتی ہوں یا نہ جانتی ہوں کہ آپ میری مغفرت فرما دیجئے اور مجھ پر رحم کیجئے۔

(ابنِ ماجہ)

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ یہ دعا سُن کر ہنسنے لگے اور ارشاد فرمایا وہ اسم اس دعا میں پوشیدہ ہے۔

ابو امامہ فرماتے ہیں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ارشاد فرمایا۔ اسمِ اعظم اِن تین سورتوں میں ہے۔ سورۂ بقرہ، آلِ عمران اور طٰہٰ۔

امام قاسم بن عبد الرحمٰن شامی فرماتے ہیں میں نے ان تینوں سورتوں میں اسمِ اعظم تلاش کیا تو الحیّ القیّوم کے الفاظ تینوں سورتوں میں نظر آئے

امام جزری فرماتے ہیں اسمِ اعظم اِن الفاظ میں پوشیدہ ہے:-

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ — اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہی ہمیشہ

الْقَیُّوْمُ (البقرہ) — زندہ رہنے والا اور بندوبست کرنیوالا ہے

حضرت حسین کے صاحبزادے امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (یعنی علی اکبر) نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے اسم اعظم سکھا دیجئے۔ شب کو خواب میں دیکھا کہ انہیں کوئی یہ الفاظ تعلیم کر رہا ہے۔

ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ — وہی اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں

رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ — وہی بڑے عرش کا مالک ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اسمِ اعظم کے بارہ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ اس رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس دعا میں وہ تمام الفاظ موجود ہیں جن کے لئے اسم اعظم ہونے کا قول پایا جاتا ہے۔ اور وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ — اے اللہ میں آپ سے اس ذریعہ سے سوال کرتا

لَكَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ — ہوں کہ تمام تعریفیں آپ ہی کے لئے خاص ہیں

یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ یَا بَدِیْعُ — آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اے احسان کرنیوالے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا — اے آسمان و زمین کے بنانے والے اے بڑائی

الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا خَیْرَ — والے۔ اے عزت والے۔ اے بہترین وارث

الْوَارِثِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ — اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے

یَا سَمِیْعَ الدُّعَآءِ یَا اَللّٰہُ! — اے دعاؤں کے سننے والے۔ اے اللہ اے

یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ یَا عَالِمُ — اللہ اے اللہ۔ اے جاننے والے۔ اے

یَا سَمِیْعُ یَا عَلِیْمُ یَا حَلِیْمُ — بہت سننے والے۔ اے بہت جاننے والے اے بردبا

یَا مَلِكَ الْمُلْكِ یَا مَالِكُ — اے ملک کے بادشاہ۔ اے مالک۔ اے سلامتی کے

یَا سَلَامُ یَا حَقُّ یَا قَدِیْمُ — مالک۔ اے سچے۔ اے ہمیشہ رہنے والے اے

یَا غَنِیُّ یَا مُحِیْطُ یَا حَکِیْمُ — مالدار۔ اے ہر شے کا احاطہ کرنیوالے اے حکمت کے

یَا عَلِیُّ یَا قَاھِرُ یَا رَحْمٰنُ — مالک اے بلند۔ اے زبردست اے بہت رحم فرمانیوالے

یَا رَحِیْمُ یَا سَرِیْعُ یَا کَرِیْمُ — اے رحمت والے۔ اے کاموں کے جلدی کرنیوالے

یَا مُخْفِیُّ یَا مُعْطِیُّ یَا مَانِعُ — اے قابل عزت۔ اے چھپانے والے اے دینے والے

یَا مُحْیِیْ یَا مُقْسِطُ یَا حَیُّ — اے روکنے والے اے زندہ کرنیوالے اے انصاف

یَا قَیُّوْمُ یَا اَحْمَدُ یَا حَمْدُ — کرنیوالے۔ اے زندہ۔ اے عالم کا انتظام کرنے والے

یَا رَبُّ یَا رَبُّ یَا رَبُّ — اے لائق تعریف اے سراپا تعریف اے میرے پروردگار

یَا رَبُّ یَا رَبُّ یَا وَھَّابُ — اے میرے پروردگار اے بہت دینے والے اے بہت

یَا غَفَّارُ یَا قَرِیْبُ یَا لَآ اِلٰہَ — مغفرت فرمانے والے اے قریب۔ اے وہ ذات کہ

اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ — آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ آپ کی ذات ہر

کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ — عیب سے منزہ۔ یقیناً میں گناہگار ہوں۔

شیخ عارف تیجانی فرماتے ہیں۔ میں نے حالتِ کشف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا اسمِ اعظم پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے مخصوصین کے علاوہ اس پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔

نیز شیخ صاحب مذکور فرماتے ہیں اسمِ اعظم وہ شے ہے کہ کسی عمل کا ثواب اس کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن وہ اسم بہت کم لوگوں کو عطا ہوتا ہے

اور وہ بھی لازماً صدیقین سے ہوتے ہیں۔

نیز علماء کا اس امر میں جو اتنا شدید اختلاف نظر آتا ہے اور جس کے باعث اس کی معرفت ناممکن ہو گئی ہے اس کا اصل باعث یہ ہے کہ اگر عوام کو اسم اعظم معلوم ہو جاتا تو صرف اسی میں مشغول رہتے اور اس کے علاوہ قرآنِ پاک اور دیگر عبادات کو ترک کر بیٹھتے اور اس طرح خدا تعالیٰ کے نافرمان بنتے۔

چونکہ اسم اعظم طلبِ دنیا اور طالبِ دنیا کے لئے مناسب نہیں اور اسی باعث نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عائشہ کو بھی اسکی تعلیم نہ دی۔ اگر اہلِ دنیا اس اسم کے ذریعہ دنیا طلب کرتے تو دنیا اور آخرت دونوں خراب ہوتیں ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

شیخ یوسف بن الحسن فرماتے ہیں کہ مجھے یہ اطلاع ملی کہ ذی النون مصری اسمِ اعظم سے واقف ہیں۔ مَیں اس مقصد کے لئے سفر کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب دو تین روز ان کی خدمت میں گذر چکے تو انکی خدمت میں ایک متکلم یعنی فلاسفر آیا اور علم کلام پر ان سے مباحثہ شروع کیا۔ نتیجۃً وہ متکلم ذی النون پر غالب آگیا۔ مجھ سے ان کی شکست برداشت نہ ہوئی مَیں اپنی جگہ سے اٹھا اور دونوں کے درمیان آکر بیٹھ گیا۔ اور ذی النون کی جگہ اس متکلم سے مَیں نے مباحثہ شروع کیا حتیٰ کہ وہ اتنا لاچار ہو گیا کہ میرے کلام کو سمجھنے تک سے قاصر رہا۔ اور اپنا سا منہ لے کر واپس ہوا۔

ذوالنون مصری اس وقت ضعیفُ العمر تھے اور مَیں جوان تھا لیکن انہیں میرے علم پر انتہائی تعجب ہوا۔ وہ اپنے مقام سے اٹھے اور میرے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا مجھے معلوم نہ تھا کہ تیرا علمی مقام اتنا بلند ہے۔ اسکے بعد ذی النون ہمیشہ مجھے اپنے قریب بٹھاتے اور دیگر اصحاب سے زیادہ میری عزت فرماتے حتیٰ کہ اسی طرح ایک سال گذر گیا۔

مَیں نے ایک سال بعد عرض کیا اے میرے استاد مَیں ایک غریب آدمی ہوں۔ اتنی مشقت برداشت کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پھر متواتر ایک سال آپ کی خدمت کرتا رہا۔ جیسا جناب کا مجھ پر حق ہے ویسا ہی میرا جناب پر بھی حق ہے۔ مجھے اس بات کی اطلاع ملی تھی کہ جناب اسمِ اعظم سے واقف ہیں اور مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ میں بھی اسکا اہل ہوں کہ آپ مجھے اسمِ اعظم تعلیم فرمائیں۔ یہ سُن کر ذی النون خاموش رہے اور مجھے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ مَیں نے اسی خیال کے تحت ان کی خدمت میں چھ ماہ اور گذارے۔

جب متواتر ڈیڑھ سال گذر گیا تو انہوں نے ایک روز مجھ سے دریافت فرمایا۔ تم فلاں شخص سے واقف ہو جو فسطاط میں رہتا ہے۔ مَیں نے عرض کیا جی ہاں۔ انہوں نے مجھے ایک طباق عنایت فرمایا جو دوسرے طباق سے ڈھکا تھا اور اس پر ایک رومال پڑا ہوا تھا، وہ مجھے دیا اور فرمایا اس طباق کو ان بزرگ کی خدمت میں پہنچا دو۔ مَیں نے طباق اٹھا کر سر پر رکھ لیا اور اسے لیکر فسطاط کی جانب چلا۔ اور راہ میں سوچتا جاتا تھا کہ آخر اس

میں کیا شے ہے۔ کیونکہ اس میں کچھ وزن محسوس نہ ہوتا تھا۔ حتّٰی کہ میں فسطاط پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آخر اس طباق میں ایسی کیا شے ہے جو ذی النون نے بطور ہدیہ فسطاط بھیجی ہے۔ یہ سوچ کر میں نے اوپر سے رُومال اٹھایا اور اسے کھول کر دیکھا۔

اچانک اسے کھولتے ہی اس میں سے ایک چُوہا کود کر بھاگا۔ مجھے اس بات کا انتہائی افسوس ہوا کہ حضرت ذی النون نے مجھ سے مذاق فرمایا ہے۔ اور میں سخت غصہ میں واپس ہوا۔ جب خدمت میں پہنچا تو دیکھ کر مسکرانے لگے اور فرمایا۔ اے بیوقوف جو ایک چوہے کی بھی حفاظت نہ کر سکا وہ اسمِ اعظم کی حفاظت کیونکر کر سکے گا۔ اب تم میرے پاس سے جاؤ۔ آئندہ میں تمہیں کبھی نہ دیکھوں۔

سید عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر سب سے بڑا اکرام یہ ہے کہ میں اسمِ اعظم سے واقف ہوں۔ لیکن میں کسی ایسے شخص سے واقف نہیں جو اسے مجھ سے حاصل کر سکے۔

کیونکہ اسمِ اعظم کو وہی شخص حاصل کر سکتا ہے جسے اپنی دینداری پر کامل بھروسہ ہو۔ خوفِ خداوندی سے ہر وقت اسکا دل لرزاں رہے اور مخلوقاتِ خداوندی پر مہربان ہو۔ کیونکہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ اگر میں کسی کو اسمِ اعظم تعلیم کروں اور پھر وہ اس کے ذریعہ کسی کو ایذا پہنچائے تو خدا تعالیٰ اسے ہلاک فرمائیں گے جیسا کہ بلعم بن باعورا کو خدا تعالیٰ نے اسے اسمِ اعظم عطا فرمایا اور اس نے اس کے ذریعہ حضرت موسٰی علیہ السلام پر بددعا

کی جس کے نتیجہ میں اس کی زبان باہر نکل آئی۔ یہ قصہ تفاسیر میں تفصیلاً مذکور ہے۔

احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں چونکہ مختلف دعاؤں کو اسمِ اعظم سے تعبیر کیا گیا ہے اسی لئے علماء میں اس کی تعیین میں زبردست اختلاف ہے۔

بعض علماء اس امر کے قائل ہیں کہ اسم اعظم کا کوئی وجود ہی نہیں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اسمِ اعظم ہے۔ یہ مسلک امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوالحسن اشعری، امام ابو جعفر طبری، امامِ ابن حبان اور امام باقلانی وغیرہ کا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ اسمِ اعظم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے۔ بعض کے نزدیک اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ہے۔ یہ مسلک حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ اور امام قاسم بن عبدالرحمٰن شامی کا ہے۔

امام جزری کے نزدیک هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ہے۔

امام زین العابدین فرماتے ہیں۔ اسم اعظم یہ الفاظ ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ — وہی اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود

رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ — نہیں بڑے عرش کا پروردگار ہے۔

امام شعبی اور شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں وہ لفظ اللہ ہے اور یہی اکثر علماء کا مسلک ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ چند علماء کے علاوہ اس پر سب کا اجماع ہے تو یہ غلط نہ ہوگا۔

ثانیاً جتنی دعائیں مذکورہ مضامین میں آئی ہیں ان تمام دعاؤں میں تقریباً لفظ اللہ ضرور پایا جاتا ہے۔

ثالثاً لفظ اللہ اسم ذاتی ہے باقی تمام اسماء صفاتی ہیں اور اسم ذات کو اسم صفت پر ترجیح ہوتی ہے۔

رابعاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے اسماء کا ذکر فرمایا وہاں اللہ سب پر مقدم رکھا اور مقدم کو دوسروں پر فضیلت ہوتی ہے۔

خامساً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کسی مقام پر بھی اسم ضمیر کو کسی اور نام کی جانب راجع نہیں فرمایا بلکہ ہر مقام پر ضمیر کا مرجع لفظ اللہ واقع ہوا ہے اسی باعث لفظ ھُوَ سے اللہ ہی مراد ہوتا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں ایک واقعہ بھی نقل فرمایا ہے کہ کسی شخص پر تین ہزار دینار قرض تھے، اس نے اللہ تعالیٰ سے اِن الفاظ میں دعا مانگی:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ یَا اَللّٰہُ	یا اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اے اللہ
یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ بَلٰی وَاللّٰہِ	اے اللہ۔ اے اللہ کیوں نہیں۔ اللہ کی قسم
اَنْتَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ	آپ ہی اللہ ہیں۔ آپ کے علاوہ کوئی معبود
اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ وَاللّٰہِ اَنْتَ	نہیں۔ اے اللہ۔ اے اللہ۔ اے اللہ
اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ یَا حَیُّ	اے اللہ۔ آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں
یَا قَیُّوْمُ	اے زندہ۔ اے جہاں کے منتظم۔

اس دعا کے بعد وہ شخص سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص اس سے کہہ رہا ہے کہ تو نے اللہ سے اسمِ اعظم کے ذریعہ سوال کیا ہے۔ یہ کلمات وہ ہیں کہ اگر یہ بہتے پانی پر پڑھے جاتے تو وہ بھی جم جاتا۔ اس خواب کے بعد اُس کی

آنکھ کھلی تو سرہانے تین ہزار دینار رکھے نظر آئے۔

علامہ فاسی شرح الدلائل میں فرماتے ہیں کہ وہ مشہور دعا جس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

بِحَقِّ اسْمِکَ الْمَخْزُوْنِ الْمَکْنُوْنِ	تیرے اس مخفی اور پوشیدہ نام کے
الَّذِیْ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَکَ وَاَنْزَلْتَہٗ	ذریعہ جو آپ نے اپنا نام رکھا ہے۔ اور
فِیْ کِتَابِکَ وَاسْتَأْثَرْتَ بِہٖ فِیْ	اسے کتاب اللہ میں نازل فرمایا ہے۔ اور
عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ	اسے اپنے پاس علم غیب میں پہاں رکھا ہے

ظاہر ہے کہ اس میں مخزون مکنون سے مراد وہی اسم اعظم ہے جو ان سو ناموں میں سے قرآن مجید میں مخفی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس اسم کو مخفی رکھا ہے اور قرآن مجید میں کسی مقام پر بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ یہ اسم اعظم ہے۔ اور نہ احادیث میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اور نہ آپ کے صحابہ نے یہ بات فرمائی۔

اور اس کے مخفی رکھنے میں وہی راز ہے جس کی جانب ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ اگر بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں اسم اسم اعظم ہے تو دیگر فرائض کو ترک کر کے اسی میں مشغول ہو جائے اور نتیجۃً تارکِ فرض بن جائے۔

دوسری وجہ اس کے اخفا کی یہ ہے کہ چونکہ انسان بالذات حریص واقع ہوا ہے اور جب اسے یہ شے حاصل ہو جائے گی تو وہ اس کے ذریعہ دنیا کی تمنا کرے گا۔ اور چونکہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو اس کے ذریعہ دنیا طلب کرے تو اس کی دنیا اور آخرت دونوں خراب ہیں۔ تو نہ تو دنیا ہی ملے گی اور نہ آخرت ہی نصیب ہوگی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نزولِ قرآن کی غرض وغایت یہ ہے کہ بندہ اطاعتِ الٰہی میں مصروف رہے اور ہمہ وقت اسکی درگاہ میں دست بدعا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ لیلۃ القدر کی بھی کوئی تاریخ معین نہیں کی گئی تاکہ بندہ کسی وقت بھی خدا کی عبادت سے غافل نہ ہو۔ وہی غرض اسمِ اعظم کے اخفا میں رکھی گئی۔ تاکہ بندہ ہمہ وقت دست بدعا رہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر انسان کو اس کا علم دیا جاتا تو وہ تلاوتِ قرآن اور درود وغیرہ کے پڑھنے سے غافل بن جاتا۔ اور اس طرح ایک بہت بڑی سعادت سے محروم ہوتا۔ بلکہ ایک اس شے کا تارک بنتا جو اسمِ اعظم سے لاکھوں درجے بڑھ کر ہے اور وہ قرآن مجید ہے۔ کیونکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بندہ ہمہ وقت تلاوتِ قرآن میں مشغول رہے اور اسے مجھ سے کچھ مانگنے کی فرصت نہ ملے تو میں اسے بغیر مانگے ہی حاجت سے زیادہ دیتا ہوں۔ نیز ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔

اٰیَۃٌ مِّنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا (مسلم)

اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر اسمِ اعظم معلوم ہوتا تو بندہ دیگر اسمار کو چھوڑ کر صرف اسی نام کے ذریعہ خدا کو پکارتا۔ اس طرح نعوذ باللہ من ذٰلک وہ دیگر اسمار کا تارک بنتا۔ اور حکمِ خداوندی کا نافرمان بھی ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک نام کے ذریعہ دعا مانگنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ سب کے ساتھ مانگنے کا حکم دیا ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جب انسان ایک اسم کا عامل بن جاتا تو دیگر اسمار کے خواص اور فوائد ظاہر نہ ہوتے۔ اور یہ ایک بدیہی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم خواص سے خالی نہیں تو دیگر اسمار کے ذریعہ جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان سے محروم ہو جاتا۔

ساتویں وجہ یہ ہے کہ انسان حریص واقع ہوا ہے۔ لازمًا اس اسم کے ذریعہ طالبِ دنیا بنتا۔ اور اس صورت میں جو عبادتِ خداوندی کا مقصود ہے وہ فوت ہو جاتا یعنی اخلاص۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۵ (البینۃ)

لوگوں کو حکم نہیں دیا گیا ہے مگر اس بات کا کہ اللہ کے لئے دین کو خالص کر کے اس کی عبادت کریں۔

اِس اخفا میں اور بھی دیگر وجوہات ہیں جو ہم طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں۔

لیکن اکثر علمار کا خیال یہی ہے کہ وہ لفظ اَللّٰہ ہے جس کی وجوہات ہم لفظ اللہ کی تحقیق میں عرض کریں گے۔ اور درحقیقت اللہ کا ہر اسم اسمِ اعظم ہے۔ خدا تعالیٰ کے ہاں درجۂ قبولیت کی دیر ہے جس اسم کے ذریعہ بھی دعا کو وہ درجۂ قبولیت عطا فرمائے وہ اسمِ اعظم ہے۔ بندے کا فرض ہے کہ ہمہ وقت اس سے اپنی حاجات طلب کرتا اور اس سے امداد کا طالب رہے۔ کیونکہ دعا کا ترک کرنا خود ایک گناہ ہے اور نعمتِ خداوندی کی ناشکری ہے اس کا ارشاد ہے:۔

اُدْعُونِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ — مجھ سے مانگو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔

اور خدا تعالیٰ کبھی وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔ دعا کی قبولیت میں جو تاخیر واقع ہوتی ہے وہ بندے کی کوتاہی کی بنا پر ہوتی ہے۔ ورنہ اس ذاتِ کبریائی نے ہر شے کی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہے۔

پھر قبولیت کے تین درجے ہوتے ہیں۔

کبھی وہ دعا بعینہٖ قبول کر لی جاتی ہے۔

کبھی اس دعا کے ذریعہ کسی آنے والی مصیبت کو رفع کر دیا جاتا ہے

اور کبھی آخرت کے لئے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے۔

اور انسان چونکہ پہلے ہی درجہ سے واقف ہے اس لئے بے صبری کرتا اور سمجھتا ہے کہ میری دعا قبول ہی نہیں ہوئی۔ حدیث میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا۔ خدا اس سے زیادہ کسی شخص سے ناراض نہیں ہوتا جو اس سے دعا کرے اور یہ سمجھ کر چھوڑ دے کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

اللہ

اللہ اور اِلٰہ اصل میں الوہیت سے مشتق ہیں جس کے معنی عبادت کے ہیں اور یہ دونوں الفاظ معبود کے معنٰی میں مستعمل ہیں۔ اگرچہ لغوی لحاظ سے یہ دونوں ہم معنٰی ہیں لیکن عرفی اور اصطلاحی لحاظ سے ان میں یہ فرق ہے کہ لفظ اِلٰہ ہر معبود پر استعمال ہوتا ہے چاہے وہ حق ہو یا باطل اور لفظ اللہ معبودِ برحق کے ساتھ خاص اور اس ذاتِ کبریائی کا ذاتی نام ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ — اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

کلمہ میں اسی لئے اللہ کو اِلٰہ کی ضد قرار دیا گیا ہے۔ کہ اللہ کے علاوہ جتنے بھی معبود ہیں سب باطل ہیں اور حقانیت صرف ذاتِ خداوندی کیلئے خاص ہے

یہ تو لغوی اور اصطلاحی معنٰی ہیں اور شریعت میں لفظ اللہ اس ذات پر بولا جاتا ہے جو حق ہو، ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہنے والی ہو، تمام صفاتِ الٰہیہ کی جامع ہو، ہر شے کی خالق اور پروردگار ہو، جس کا وجود واجب ہو۔ دنیا اپنے وجود میں اس کی محتاج ہو اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ نہ اس کے ماں باپ ہوں اور نہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ بالفاظ دیگر اسمائے حسنٰی میں جتنی صفاتِ خداوندی ثابت ہیں۔ وہ کل تمام کی تمام اس میں مجتمع ہوں۔

یہ بات بھی خوب ذہن نشین فرمالیں کہ حدیثِ ترمذی میں جن ناموں کا ذکر آیا ہے وہ اور اس کے علاوہ بقیہ تمام اسماء سے لفظ اللہ عزت و جلال اور رتبہ میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ یہ اسمِ مبارک تمام صفات

الٰہیہ کو شامل ہے کوئی صفت اس سے خارج نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی ایسا اسم
نہیں جو تمام صفات پر دلالت کرتا ہو بلکہ بقیہ اسمارِ صفات خداوندی میں سے
صرف ایک ایک صفت کا اظہار کرتے ہیں مثلاً رحمٰن سے اظہارِ رحمت ہوتا
ہے۔ رزاق سے صفتِ رزاقیت ثابت ہوتی ہے اور رب سے ربوبیت
لیکن اظہارِ ربوبیت کے لئے آپ رحمٰن کبھی نہ بولیں گے۔ اسی طرح رزاقیت
کے لئے رب کا استعمال ممکن نہیں۔ لیکن لفظ اللہ کا استعمال رزاقیت
و رحمت اور ربوبیت سب پر ہوگا۔ اس لئے کہ یہ تمام اسکے معانی میں شامل
ہیں اور اس سے جدا نہیں۔ بایں صورت جزو پر کل کا اطلاق ہوگا۔

ثانیاً اس کے علاوہ ایسا کوئی اسم نہیں جو ذاتِ خداوندی پر دلالت کرتا ہو۔

ثالثاً دیگر اسمارِ خدا کے علاوہ دوسروں پر بھی بولے جاتے ہیں۔ جیسے
قادر، رحیم، حکیم، عزیز وغیرہ لیکن اس لفظ کا غیر اللہ پر اطلاق کسی
صورت میں جائز نہیں۔ بلکہ غیر اللہ کو اللہ کے لفظ سے پکارنے والا متفقہ
طور پر کافر ہے۔ کیونکہ اس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں۔

رابعاً یہ کہ باقی تمام اللہ کی صفت واقع ہوئے ہیں لیکن لفظ اللہ کسی
اسم کی صفت واقع نہیں ہوتا مثلاً یہ بولا جاتا ہے کہ اللہ حکیم اور علیم ہے لیکن
یہ نہیں کہہ سکتے کہ حکیم اللہ ہے۔ یا علیم اللہ ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔

جن علمار نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسم اعظم لفظ اللہ ہے۔ ان کا قول ان
دلائل کی بنا پر دیگر اقوال سے قوی تر اور مناسب تر ہے۔ اگرچہ اس کا صحیح علم
تو اللہ ہی کو ہے۔ یعنی اگرچہ اس لفظ کے اسم ہونے میں عین الیقین نہیں

تو یقین ضرور ہے۔

اس اسم میں انسان کو تا کہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں متفکر و مستغرق
رہنے کا درس دیا گیا ہے کہ انسان اپنے قلب کو ماسوا اللہ سے منقطع کرلے۔ کہ
اس ذاتِ کبریائی کے علاوہ کسی کی جانب ملتفت نہ ہو۔ نہ خدا کے علاوہ کسی
سے امید باقی رہے۔ اور نہ کسی کا خوف۔

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ اِنْ — اگر تم مومن ہو تو کفار سے نہ ڈرو۔ صرف
كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ (آلِ عمران) — میری ذات سے ڈرو۔

نہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز ہو، نہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے گردن خم
ہو۔ اولاد طلب کی جائے تو اس ذات سے۔ رزق طلب کیا جائے تو اس ذات
سے۔ دعا مانگی جائے تو اس ذات سے۔ اظہارِ تکلیف ہو تو اس ذاتِ خداوندی سے۔
الغرض اس دنیا کی ہر ہر شے اور ہر ہر ذرہ فانی اور مجبور نظر آنے لگے۔ بلکہ اسکی نظر میں ہر
شے جلوۂ خداوندی کا پرتو ہو۔ دنیا کی جس شے سے محبت ہو تو خدا کیلئے ہو اور جس
سے دشمنی ہو تو خدا کے لئے ہو۔ اس منزل میں پہنچنے کے بعد انسان کو ہر وہ
شے محبوب بن جاتی ہے جو خدا کو محبوب ہو اور ہر اس شے سے عداوت ہوتی
ہے جو خدا کی مبغوض ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے
کہ شعرائے عرب نے جتنے شعر کہے ہیں ان میں سب سے سچا لبید کا شعر ہے۔ ع

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ — خبردار اللہ کے علاوہ تمام اشیار باطل ہیں

گویا یہ مصرع اس آیتِ قرآنی کا ترجمان ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ — ہر شے فنا ہو جائے گی۔ اور تیرے جلال و

رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ○ (الرحمٰن) عزت والے رب کی ذات باقی رہ جائیگی۔

وظائف (1) جو شخص یومیہ بلاناغہ یَا اللّٰهُ یَا هُوْ کی ایک ہزار بار تلاوت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے کمال یقین کے ساتھ رزق عطا فرمائے گا۔

(2) جو شخص نماز جمعہ سے قبل طہارت و صفائی اور سکونِ قلب کے ساتھ سو بار اس اسم کو پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے تمام امور آسان فرمائیں گے۔

(3) اگر کوئی شخص شدید بیمار ہو اور حکما اس کے علاج سے عاجز ہوں تو اس اسم کی کثرت سے تلاوت کرے اور خدا سے دست بدعا ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسے شفائے کلی عطا ہوگی۔

(4) جو شخص یَا اللّٰهُ کو روزانہ ایک ہزار مرتبہ پڑھے گا اس کے دل سے شکوک و شبہات دور ہونگے اور دل میں احکامِ الٰہیہ کی محبت پیدا ہوگی۔

ھُوَ

عربی میں یہ ضمیر ہے جو ہر شخص کی جانب راجع ہو سکتی ہے۔ اور اللہ کے لئے بھی اس کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ جیسے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ○ (الاخلاص) آپ فرما دیجئے اللہ ایک ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ (الحشر) وہی اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں

یعنی یہ خود کوئی اسم نہیں لیکن اسم ذات پر دلالت کرتا ہے۔ اور صوفیائے کرام اسے بطور وظیفہ پڑھتے ہیں۔ اسے یہ حضرات مد کے ساتھ کھینچ کر پڑھتے ہیں۔ یہ لفظ قلبِ انسانی کو خدا کی جانب متوجہ کرنے میں بہت موثر ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ

رحمٰن اور رحیم رحمت سے مشتق ہیں اور رحمت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو وہ رحمت ہے جو دوست اور دشمن سب کے لئے عام ہو اور ایک وہ رحمت ہے جو دوستوں کے ساتھ خاص ہو۔ رحمٰن پہلے معنی کو شامل ہے کہ اس کی محبت عام ہے، چاہے دوست ہو یا دشمن۔ اور رحیم دوسری قسم کی رحمت کے لئے خاص ہے۔ تو ان دونوں میں عام خاص کی نسبت ہوئی یعنی جو رحمٰن ہوگا رحیم ضرور ہوگا لیکن رحیم کے لئے رحمٰن ہونا ضروری نہیں۔

لفظ رحیم باعتبار استعمال ذات خداوندی اور غیر ذات خداوندی پر عام ہے لیکن رحمٰن ذات خداوندی کیلئے خاص ہے یعنی کسی انسان کے لئے رحیم تو کہا جا سکتا ہے لیکن اسے رحمٰن کسی صورت میں نہیں کہہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی شان میں فرمایا ہے:۔

حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ (التوبہ) نبی کریم تمہاری تلاش و جستجو رکھتے اور مومنین پر شفقت و رحمت فرماتے ہیں۔

قرآن مجید میں لفظ اللہ کے بعد اکثر رحمٰن کا استعمال ہوا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ یہ اسمِ صفت ہے لیکن کثرتِ استعمال کی بنا پر اسم ذات کا درجہ رکھتا ہے۔ مثلاً

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ (بنی اسرائیل) آپ فرما دیجئے چاہے اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو (دونوں ایک ہی ذات کے نام ہیں)

اور اللہ کے بعد رحمٰن ہی کا لفظ ہے جو اللہ کے معنی کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اسی لحاظ سے قرآن میں بعض مقامات پر اللہ کی جگہ اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (الفرقان) رحمٰن عرش پر مستقیم ہوا۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا (الفرقان) اور رحمٰن کے بندے زمین پر نرمی و وقار سے چلتے ہیں۔

بعض علماء نے رحمٰن و رحیم کے معانی میں یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ رحمٰن کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں بندوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والا اور رحیم آخرت میں مغفرت فرمانے والا۔

امام عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں۔ رحمٰن وہ ذات ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے تو عطا کرے اور رحیم کا مقصود یہ ہے کہ جب اس سے کوئی سوال نہ کرے تو غضبناک ہو یعنی اگر بندہ اس سے مانگتا تو وہ ضرور عطا فرماتا۔ اسی لئے طلب کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (الزمر) مجھ سے مانگو میں تمہاری حاجتیں پوری کرونگا

سدی کا قول ہے کہ رحمٰن وہ ذات ہے جو مصائب اور تکالیف دور کرتی ہو اور رحیم وہ ذات ہے جو گناہوں کی بخشش کرتی ہے۔

میرے نزدیک ایک فرق یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رحیم دنیا میں رحمت کے لئے خاص ہو اور رحمٰن دنیا و آخرت کے لئے عام ہو۔

درجاتِ رحمت۔ رحمت کے بھی مختلف مراتب ہوتے ہیں۔ رحمت کا پہلا درجہ تو یہ ہے

کہ خدا تعالیٰ انسان کو عدم سے وجود میں لایا، دوسرا درجہ یہ ہے کہ باوجودیکہ بندہ خدا کا نافرمان ہے پھر بھی اس پر رزق و رحمت کے دروازے کشادہ فرمائے۔ تیسری اسکی رحمت یہ ہے کہ ہمیں ایمان سے مشرف کیا۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مومنین کو آخرت میں دخولِ جنت اور بخشش سے سرفراز فرمائے گا۔ اور سب سے اعلیٰ ترین مرتبہ یہ ہے کہ مومنین کو دیدارِ خداوندی حاصل ہوگا۔ اور لفظِ رحمٰن ان تمام درجات کو شامل ہے۔ بندہ کو چاہئے کہ اپنے میں یہ صفتِ خداوندی پیدا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کے ساتھ رحمت و شفقت کا سلوک کرے۔ اور انہیں وعظ و نصیحت اور تعلیم و تعلم کے ذریعہ خدا کی جانب متوجہ کرے۔ اور اسطرح گناہگاروں کو گناہوں سے بچانے کی سعی کرے کیونکہ ان کے لئے رحمت یہی ہے کہ انہیں عذابِ خداوندی سے بچانے کی سعی کی جائے۔ اور حتی الامکان لوگوں کی تکالیف دُور کرنے کی جدوجہد کرے۔ مجبوروں اور ضعیفوں کی حاجت روائی میں دریغ نہ کرے۔ کیونکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ لَمْ یُرْحَمْ (مشکوٰۃ) جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا

وظائف جو شخص یومیہ ہر نماز کے بعد سو بار اس اسم کی تلاوت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل سے سختی اور غفلت دُور فرمائیں گے۔

جو شخص اس اسم کا بکثرت ورد کرے گا آفات دنیویہ سے محفوظ رہے گا۔

اگر اس اسم کو مشک و زعفران سے لکھ کر کسی بدطینت اور بدخلق انسان کے گھر میں دفن کر دیا جائے تو اس شخص میں اخلاقِ حسنہ، حیا، ترحم اور مسکنت و عاجزی پیدا ہو۔

الرَّحِیْمُ

اس اسم کی لفظی و معنوی بیشتر تشریح اسم رحمٰن میں گذر چکی ہے۔ اور لفظ رحمٰن کو رحیم کے ساتھ لانے کی وجہ اور ان میں فرق مراتب سطورِ بالا میں تحریر کئے جا چکے ہیں۔ لیکن بین فرق یہ ہے کہ رحمٰن ہر کافر و مومن، نیک و بد سب کو عام ہے۔ اور رحیم مومنین کے لئے خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا — اور خدا تعالیٰ مومنین پر رحم فرمانے والا ہے۔

بعض اصحاب نے باہم یہ بھی فرق بیان کیا ہے کہ رحمٰن بڑی بڑی نعمتیں نازل فرمانے والا اور رحیم باریک باریک رحمتیں نازل کرنے والا۔

اس اسم کی خصوصیات یہ ہیں کہ اپنے دل کو اپنا تابعدار بنائے اور ذکرِ خداوندی میں اسے مشغول کرے۔ حتی الامکان معاصی سے پرہیز کرے تاکہ قیامت کے روز ارحم الراحمین اس پر اپنی رحمتِ کاملہ نازل فرمائے مخلوقِ خداوندی کے ساتھ شفقت اور نرمی سے پیش آئے۔ بعض عارفین فرماتے ہیں:۔

اِرْحَمْ مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكَ مَنْ فِي السَّمَآءِ (ترمذی) — تو اہل زمین پر رحم کر تجھ پر آسمان والا رحم فرمائے گا۔

وظائف۔ جو شخص یہ اسم یومیہ ہر نماز کے بعد سو بار پڑھے گا تمام آفاتِ دنیویہ سے محفوظ رہے گا۔ اور جو شخص یومیہ سو بار پڑھے گا اسکے دل میں رقت و شفقت پیدا ہو۔ جسے کسی مصیبت یا دشمن کا خوف ہو وہ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ کی کثرت

سے تلاوت کرے یا لکھ کر باندھے۔ خدا تعالیٰ اسے دشمن سے پناہ دے گا۔

اگر کوئی شخص الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ کو لکھ کر اور پانی سے دھو کر وہ پانی کسی درخت کی جڑ میں ڈال دیں۔ اس درخت کے پھل میں برکت ہو۔ اور اگر کسی کو گھول کر پلائے تو اسکے دل میں کاتب کی محبت ہو۔ اسی طرح اگر طالب و مطلوب کا نام مع والدہ کے لکھ کر باندھے مطلوب اسکی محبت میں سرگرداں ہو بشرطیکہ محبت جائز ہو۔

الْمَلِكُ

ملک وہ ذات ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر موجود و غیر موجود شئے سے بے نیاز ہے۔ بلکہ کوئی شے اپنی ذات و صفات، عدم و وجود اور حیات و بقا میں اس سے مستغنی نہ ہو۔ اس کے علاوہ کل موجودات اس کی مِلک ہو اور وہ کسی کی مِلک نہ ہو۔ اور بغیر کسی کی اعانت و امداد کے وہ تمام مخلوقات میں تصرف کرتا ہو۔ تو صحیح معنیٰ میں مطلقاً ملک وہی ہے۔ باقی تمام مخلوق مملوک ہے۔ اسی لئے بندے پر مَلِک کا اطلاق اس عمومیت کے ساتھ جائز نہیں۔ بلکہ انسان کے ہاتھ میں جو بھی شے ہے وہ خدا کی مِلک ہے۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ نے انسان کو بعض اشیاء پر قدرت دی ہے اسی لحاظ سے بندہ کے لئے ملکیت ثابت کی جاتی ہے۔ یعنی خدا کی جانب سے وہ اس کی مملکت کا مالک بنتا ہے۔ تاکہ بندہ خدا کا شکر بجالائے اور اپنے نفس اور خواہشات کو احکامِ خداوندی کا تابعدار بنائے۔

اور انسان کے لئے ملکیتِ عامہ اس لئے بھی ثابت نہیں ہوتی کہ موت اس

ملکیت کو ختم کر دیتی ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ موت وحیات کا بھی مالک ہے۔ اس لئے انسان کی جانب ملکیت کی نسبت مجازی ہے نہ کہ حقیقی۔

دوسرے یہ دعوائے ملکیت صرف موت تک ہے۔ قیامت کے دن یہ تمام دعوے کرنے والے اپنے دعووں سے منحرف ہو جائینگے۔ جب کہ ارشاد ہوگا۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (المؤمن) آج ملک کس کا ہے۔

اور جب کسی کی زبان سے بھی جواب ظاہر نہ ہوگا تو خود ہی فرمائیں گے

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المؤمن) اللہ واحد قہار کی ملکیت ہے۔

اور جب یہ صورت حال ہے تو اس چند روزہ زندگی میں ملکیت کا دعویٰ ظنِ باطل سے زائد نہیں۔

اور جب انسان ہر امر میں اس کا محتاج ہے تو اس کا فرض ہے کہ اس شہنشاہِ مطلق کی صحیح رعیت بن کر رہے۔ اور جیسے وہ خود بے نیاز ہے انسان کو بھی چاہیئے کہ اسکی ذات کے علاوہ ہر ایک سے بے نیاز ہو جائے۔ اور کسی مخلوق سے حاجت برآری کی امید نہ رکھے۔ اور نہ دل میں بجز خدا کے کسی کا خوف ہو۔

وظائف۔ جو شخص بلا ناغہ زوال کے وقت اسے سو بار پڑھے گا اس کا دل منور ہوگا

جو شخص صبح کی نماز کے بعد ایک سو بیس بار اس کی تلاوت کرے اللہ تعالیٰ اسے غنی فرمائیں گے۔

جو شخص اس اسم پر مداومت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے جاہ و مرتبہ میں زیادتی فرمائیں گے۔

القُدُّوس

قدوس قدس سے مشتق ہے جس کے معنی پاکی کے ہیں۔ اسی سے ارضِ مقدسہ اور بیت المقدس بنا ہے۔ اس اسم سے مراد ہے کہ ذاتِ خداوندی تمام نقائص وعیوب اور آفات سے منزہ و پاک اور تمام صفات کی جامع ہے۔ منزہ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ ہر وہ وصف جس کا انسان ادراک کر سکے یا اس کے وہم وخیال میں آسکے خدا کی ذات ان سب سے پاک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

كُلُّ مَا خَطَرَ بِبَالِكَ فَهُوَ هَالِكٌ وَاللّٰهُ غَيْرُ ذٰلِكَ (ترمذی) تیرے دل میں جتنے بھی خیالات آئیں سب ہلاک کرنیوالے ہیں ذاتِ خداوندی خیالاتِ انسانی سے بالاتر ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسم ملک کے بعد اس اسم کا ذکر فرمایا۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ میں ذکر فرمایا ہے۔

الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ وہ ملک بھی۔ قدوس بھی۔ سلام بھی۔
الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ مؤمن بھی۔ مہیمن بھی۔ عزیز بھی۔ جبار بھی
الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (الحشر) متکبر بھی۔

اس ترتیب میں راز یہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کا مالک بنتا ہے اور تخت حکومت اس کے ہاتھ میں آتا ہے تو اس پر مختلف حالات طاری ہوتے ہیں کبھی وہ عدل کرتا ہے تو کبھی ظلم۔ کبھی راہ راست پر گامزن ہوتا ہے تو کبھی حد سے تجاوز کرتا ہے۔ اپنوں سے سلوک کرتا اور غیروں کو دھکے دیتا

ہے۔ پھر اسکی حکومت زوال پذیر ہوتی ہے۔ اور خدا کی ذات ان تمام عیوب سے پاک ہے۔ اسی لئے ملک کے بعد قدوس لائے۔ تاکہ کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ وہ بھی دنیاوی بادشاہوں کی طرح ایک بادشاہ ہے نہیں دنیاوی بادشاہوں کی طرح اس کی ذات سے ہرگز کوئی نقص صادر نہیں ہوتا۔

انسان کا فریضہ ہے کہ اپنے دل کو ماسوا اللہ سے پاک کرے۔ اور گناہوں سے احتراز کرے۔ تاکہ اس صفتِ خداوندی کا مظہر بن سکے۔

وظائف

جو شخص نماز جمعہ کے بعد روٹی پر یہ الفاظ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ لکھ کر کھائے تو اسکے دل میں شوق عبادت پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ اسے آفات سے محفوظ رکھے۔

جو شخص زوال کے وقت اس اسم کی تلاوت پر مداومت کرے گا اس کا دل امراض روحانیہ سے پاک ہوگا یعنی حسد، بغض، کینہ، حرص، خود غرضی اور ریاکاری وغیرہ۔

اگر دشمن کا خوف ہو تو اس کی کثرت سے تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دشمن سے محفوظ رکھے گا۔

اگر مسافر سفر میں اس کی تلاوت کرے تو عاجز و درماندہ نہ ہو۔

اگر کسی میٹھی چیز پر اسے تین سو انیس بار پڑھ کر کسی کو کھلائے تو وہ دوست ہو جائے۔

السَّلَامُ

نقائص سے سلامت یا مومنین کو عذاب سے سلامت رکھنے والا یعنی وہ ذات جو اپنی ذات میں عیب سے اور اپنی صفات میں نقائص سے اور اپنے افعال میں مطلقاً برائی سے پاک ہو۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ اپنے کسی فعل میں برائی کا ارادہ فرمائے گا تو موجودات میں کوئی بھی برائی سے محفوظ نہ رہے گا۔ اسی لئے وہ اپنے افعال میں برائی سے منزہ ہے

انسان کو چاہئے کہ دوسروں پر کسی قسم کی زیادتی اور ظلم نہ کرے اور نہ اسکی زبان سے کسی کو تکلیف پہنچے یہی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:-

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ (بخاری)

مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں

اسی لئے مسلمانوں کو باہم سلام کا حکم ہوا ہے تاکہ ایک دوسرے کے لئے سلامتی کی دعا کرتے رہیں۔ اور اس سلامتی کا سب سے بڑا ظہور قیامت کے روز ہوگا جب کہ مومنین کو دوزخ سے محفوظ رکھ کر جنت میں داخل کیا جائیگا اور کہا جائیگا

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ (الزمر)

تم پر سلام ہو۔ تم خوش رہو۔ اور ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جاؤ

وظائف

جو شخص اس پر مداومت کرے گا تمام آفات سے محفوظ رہے گا۔

اگر مریض کے سر پر ہاتھ بلند کر کے ایک سو تیس بار با آواز بلند اس کو پڑھا جائے تو انشاء اللہ اسے شفا حاصل ہوگی۔

المؤمن

جو ذات ہر قسم کے خوف سے امن میں ہو۔ بایں معنٰی یہ صفتِ خداوندی نہیں بن سکتی اس لئے کہ امن کے لئے وجودِ خوف شرط ہے۔ بعض علماء نے اسکے معنٰی یہ بیان کئے ہیں کہ وہ ذات جو مخلوقات کو امن دیتی ہو یعنی دنیاویہ واخرویہ سے۔ اس معنٰی کے لحاظ سے تمام امن وامان ذاتِ خداوندی کیساتھ خاص ہے۔ بعض علماء نے اسکے یہ معنٰی بیان کئے ہیں کہ انبیاء کرام اور اپنے محبین کی معجزات وکرامات کے ساتھ تصدیق کرنے والا۔ اور ان کی تائید میں دلائل ظاہر فرمانے والا۔ اور ایک معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی ذات کی تصدیق کرنے والا یعنی وعدہ کا سچا کہ جس ذات کے لئے کذب اور نقضِ عہد کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔

اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ تمام مخلوق ہمہ قسم کی آفاتِ دینیہ ودنیویہ میں اسی سے پناہ حاصل کرے۔ اور دوسروں کو اپنی ذات سے کسی قسم کی تکلیف اور دکھ درد نہ پہنچنے دے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ	جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے
الْاٰخِرِ فَلْیَأْمَنْ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ	چاہئے کہ اس کی برائیوں سے پڑوسی
(مسلم)	محفوظ رہے۔

اور اس اسم کا سب سے بڑا نصیب یہ ہے کہ مخلوقاتِ خداوندی کو ہدایت اور دین کا راستہ بتائے اور انہیں عذابِ خداوندی سے ڈرائے تاکہ وہ عذابِ خداوندی سے محفوظ رہ سکیں۔ اور تمام انبیاء کرام اور علماء کا طریقہ یہی رہا ہے

اسی باعث نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّکُمْ تَھَافَتُوْنَ فِی النَّارِ	تم دوزخ میں اسی طرح گرتے ہو جیسے
تَھَافُتَ الْفِرَاشِ وَاَنَا اٰخِذٌ	پروانے آگ پر گرتے ہیں۔ اور میں تمہاری
بِحُجَزِکُمْ (مسلم)	کمر پکڑ پکڑ کر روک رہا ہوں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ اسماء یعنی ناموں میں مشابہت ذات میں مشابہت لازم نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک منادی سے اعلان کرائیں گے کہ جس شخص کا نام میرے انبیاء کے نام پر ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ بہت سے ایسے اشخاص ہونگے کہ جن کے نام انبیاء کے ناموں پر نہ ہونگے، اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائے گا۔ میں مومن ہوں اور میں نے دنیا میں تمہارا نام مومن رکھا تھا۔ تو تم میرے حکم سے جنت میں جاؤ۔

اس لحاظ سے اِس اسم میں ذاتِ خداوندی اور بندہ دونوں شریک ہیں۔ لیکن معانی اور مراتب کا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ بایں الفاظ مومن ہے کہ وہ دنیا کو خوف سے نجات دینے والا ہے۔ اور بندہ بایں لحاظ مومن ہے کہ اللہ اور اس کے احکام اور انبیاء کی تصدیق کرنے والا ہے۔

وظائف

جو شخص خوف کے وقت اسے چھ سو تیس بار پڑھے گا ہر قسم کے خوف سے محفوظ رہے گا۔ اور اسکی جان ومال کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے گا۔ اور جو شخص اس اسم کی کثرت کرے گا مخلوق اسکی تابع فرمان ہوگی۔

المُهَیمِنُ

یہ اسم اس ذات کے لئے خاص ہے جس میں تین صفات جمع ہوں، وہ مھیمن ہے۔ اول لوگوں کو ان کے اعمال اور انجام سے مطلع کرتا ہو کہ اس عمل کا یہ نتیجہ ظاہر ہوگا۔ دوسرے تمام مخلوق کے رزق کی ذمہ داری اس ذات کے ذمہ ہو۔ تیسرے ان کی زندگی اور موت اسکے قبضۂ قدرت میں ہو۔ اور جس ذات میں یہ تینوں صفات جمع ہوں وہ اُسے مھیمن کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں صفات بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کی ذات میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ کتبِ قدیمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن اسماء کا اظہار فرمایا تھا یہ ان ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تمام عالم اور اس سے جتنی اشیاء متعلق ہیں ان میں جو سب سے اشرف ہو اسے مھیمن کہتے ہیں اور اس سے حفاظت طلب کی جاتی ہو اور سب کی پرورش کا ذمہ دار ہو۔ نیز ایک قول یہ ہے کہ یہ محافظ کے ہم معنیٰ ہے۔ اور بعض علماء نے اسے بمعنیٰ حاضر لیا ہے۔

اِس اسم سے بدیں طور استفادہ کیا جاتا ہے کہ آدمی اپنے نفس کی محافظت کرے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے۔ اور ہر کام کی انجام دہی کے وقت پہلے یہ سوچ لے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی امر مخفی نہیں ہے۔

وظائف۔ جو شخص غسل کر کے دو رکعت نماز ادا کرے۔ اور خلوت میں خلوصِ قلب اور پوری توجہ کے ساتھ اس اسم کی سو بار تلاوت کرے اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر و باطن کو صاف فرمائے گا اور اس پر اسرارِ الٰہی منکشف ہونے لگیں گے۔

العَزِیزُ

یہ اسم عزت سے مشتق ہے جسکے معنیٰ قوت و غلبہ کے آتے ہیں اور اس اسم سے مقصود وہ ذات ہے کہ جو اوصافِ مخلوقات سے متصف نہ ہو سکے اور جس ذات کا حواسِ ظاہرہ اور باطنہ ادراک نہ کر سکیں۔ بعض علماء نے اس کے یہ معنیٰ بیان فرمائے ہیں کہ وہ ذات جس کا مقام اتنا اعلیٰ اور ارفع ہو جس کا حصول ناممکن الوجود ہو، اور جو افہامِ مخلوقات سے بالاتر ہو کہ اس کا ادراک ہی ممکن نہ ہو۔ نہ وہ ذات آنکھوں سے دیکھی جا سکے، نہ ہاتھوں سے چھوئی جا سکے اور نہ قوتِ متخیلہ اسے خیال میں لا سکے اور اپنی ذات و صفات میں اتنا مستغنی ہو کہ کسی چیز میں کسی غیر کا محتاج نہ ہو تو ایسی ذات کو عزیز کے لقب سے نوازا جاتا ہے۔ غالباً قرآن میں اسی لئے ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

اِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا (النساء) یقیناً تمام عزت اللہ کے لئے ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عزیز وہ ذات ہے کہ جس کا مثل ممکن نہ ہو، اور حاجتیں اسی سے روا ہوتی ہوں۔ اور اس تک پہنچ ناممکن ہو۔ جس میں ان تینوں صفات میں سے کسی کی کمی ہو وہ عزیز نہیں۔ اور یہ تمام بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

بندوں میں عزیز اسے کہا جاتا ہے کہ جس شخص کے اہم امور میں لوگ محتاج ہوں۔ اور ہماری اہم امور سے مراد ہدایت و سعادت اور اخروی معاملات ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنی خواہشاتِ نفسانیہ اور افعال و کردار پر غلبہ حاصل

کرے اور خود کو سوال کی ذلت سے محفوظ رکھے۔ تاکہ صورۃً عزت و وقار
حاصل ہو۔ غرور و تکبر اور فخر و ریا سے اپنے دل کو پاک کرے۔ اس لئے کہ
تمام عزت اللہ کے لئے ہے۔ اور بندہ خدا کا محتاج ہے۔ اور محتاج
عزت دار نہیں ہوتا۔

وظائف

جو شخص چالیس روز تک یومیہ چالیس بار اس اسم کا ورد کریگا۔ اللہ تعالیٰ
اسے دنیا میں معزز و مشرف کریگا حتیٰ کہ وہ کسی کا محتاج نہ رہے گا۔

اَلْجَبَّارُ

جس کی مشیئت اور حکم ہر ایک پر زبردستی جاری ہو سکے اور اسکی مشیئت
اور حکم میں نہ کسی کا دخل ہو اور نہ اسے رد کر سکے اور وہ وہ ذاتِ گرامی ہے جس
کے قبضۂ قدرت سے کوئی شے باہر نہ ہو۔ اسکے سامنے ہر شے مجبور و لاچار اور
اسکی دست نگر ہو۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ جبر بمعنی اصلاح سے مشتق ہے۔
بایں صورت اس کے معنی ہونگے کہ تمام مخلوقات کے امور درست کرنے والا۔
انسانوں میں جبار اس کو کہا جاتا ہے جو دوسروں کے اتباع سے بے پرواہ
ہو اور دوسرے ہر ایک کام میں اس کی اتباع کرتے ہوں۔ اور اپنے عزت و مرتبہ
میں یکتا ہو۔ اور دوسرے اشخاص اس کی ہیئت و سیرت، عادات و اطوار
میں اور کردار میں اس کی اقتدا کرتے ہوں مخلوق کو اس سے فائدہ پہنچتا ہو
اور وہ کسی سے فائدہ کا خواہاں نہ ہو۔ دنیا اس کی اقتدا کرتی ہے اور وہ کسی کی

اقتدار سے بے نیاز ہو۔ جو شخص بھی اسکی جانب نظر اٹھا کر دیکھے اس کی صورت کا
شتاق بن جائے۔ اور دوسروں کی محبت اس کے دل سے خارج ہو جائے اور
اس کا رتبہ حاصل کرنا کسی کے لئے ممکن نہ ہو۔ اور یہ تمام اوصاف بحیثیت مجموعی
صرف ایک ذات میں مجتمع تھے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی
اور خود ارشاد فرمایا:۔

لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ — اگر موسیٰ علیہ السلام آج حیات ہوتے تو میری
إِلَّا اتِّبَاعِيْ وَأَنَا سَيِّدُ — اتباع کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ اور میں آدم
وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ — کی تمام اولاد کا سردار ہوں گا قیامت کے روز اور
(مسلم) — اس میں کوئی فخر نہیں

انسان کو چاہئے کہ اپنے نفسِ امارہ اور خواہشاتِ نفسانیہ پر قابو حاصل
کرے اور انہیں شریعت کا متبع بنائے۔ بری صفات ترک کرے اور اخلاقِ
حسنہ اختیار کرے۔

وظائف

جو شخص یومیہ صبح و شام دو سو چھبیس بار اس کی تلاوت کرے گا انشاء
اللہ ظالموں کے قہر سے محفوظ رہے گا۔
جو شخص صبح و شام سات سات بار مسبعاتِ عشر پڑھے اور اس کے بعد
اکیس بار اس اسم کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ظالموں کے شر سے محفوظ
رکھے گا۔ اور جو شخص اس کی پابندی کرے گا مخلوق کی عیب جوئی اور ایذا رسانی
سے نجات پائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اسے صاحبِ ثروت و جاہ کرے گا۔ اگر اسے

انگوٹھی پر نقش کر کے پہنے گا تو دنیا کی نظروں میں عزیز ہوگا۔ مسبعاتِ عشر دس
چیزیں جنہیں بسم اللہ کے ساتھ سات سات بار پڑھا جاتا ہے ۔ سورہ فاتحہ،
الفلق، الناس، الاخلاص، الکفرون، آیۃ الکرسی، کلمہ تمجید، درود شریف
اور حسب ذیل یہ دونوں دعائیں ہ۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ	اے اللہ میری اور میرے والدین کی مغفرت فرما۔ اور
وَارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِیْ	ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن
صَغِيْرًا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِجَمِيْعِ	میں پرورش کیا۔ اے اللہ تمام مومن مردوں اور
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ	عورتوں اور تمام مسلم مردوں اور عورتوں زندہ ہوں
وَالْمُسْلِمٰتِ الْاَحْيَآءِ مِنْهُمْ	یا مردہ ان سب کی مغفرت فرما۔ یقیناً آپ ہی دعاؤں
وَالْاَمْوَاتِ اِنَّكَ مُجِيْبُ الدَّعَوٰتِ	کو قبول کرنے والے ۔ اے حاجتیں پوری فرمانے
يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ وَيَا رَافِعَ	والے اپنی رحمت سے ۔ اے درجے بلند فرمانے
الدَّرَجٰتِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ	والے ۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ
الرّٰحِمِيْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ يَا رَبِّ	رحم فرمانے والے ۔ اے میرے مولا اے میرے
افْعَلْ بِیْ وَبِهِمْ عَاجِلًا وَّاٰجِلًا	پروردگار۔ تو میرے اور ان سب کے ساتھ جلدی
فِی الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ	اور بدیر معاملہ فرما جس کے آپ ہی اہل ہیں بیشک
مَا اَنْتَ لَهٗ اَهْلٌ اِنَّكَ غَفُوْرٌ	آپ بہت ہی مغفرت فرمانے والے ۔ گناہوں
حَلِيْمٌ جَوَّادٌ كَرِيْمٌ	پر صبر کرنے والے لاانتہا سخی سب سے زیادہ
رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ	قابل قدر انتہائی مہربان اور بے پناہ رحم فرمانے
	والے ہیں۔

اَلْمُتَكَبِّرُ

وہ ذات جو اپنے سامنے تمام مخلوقات کو حقیر سمجھے اور تمام عظمت و کبریائی
فخر و جلال اور بڑائی اسی کے لئے خاص ہو۔ جو تمام مخلوق پر اس طرح نظر رکھتا ہو جیسے
ایک بادشاہ اپنے غلاموں پر نظر رکھتا ہے۔ اور بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کے لئے
بھی اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا۔
بڑائی میرا تہبند اور عظمت میری چادر ہے۔ جو شخص اسے مجھ سے چھیننا چاہے
یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھے گا میں اسے ضرور دوزخ میں داخل کروں گا۔ اور اس اسم
میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و جلال کا اظہار فرمایا ہے۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ
کی عظمت، اس کا جلال، اس کا رتبہ اور اس کی صحیح معنیٰ میں قدر اور عزت
کو پہچان لے گا وہ خود بخود عاجزی و انکساری اختیار کرے گا۔ اسی لئے علماء
کا مقولہ ہے۔

هَتَكَ سِتْرَهٗ مَنْ جَاوَزَ	جس نے اپنی حد سے تجاوز کیا اس نے
قَدْرَهٗ	پردہ خداوندی کو چاک کیا

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

رَحِمَ اللّٰهُ امْرَءًا عَرَفَ قَدْرَهٗ	اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے
فَلَمْ يَتَعَدَّ طَوْرَهٗ	اپنی قدر پہچانی اور اپنی حد سے تجاوز نہ کیا۔

انسان میں تکبر اور فخر اور غرور کا مادہ پیدا ہونا ایک عادت مذمومہ جس کا مقصد
یہ ہے کہ وہ صفتِ خداوندی کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ خالق کجا اور مخلوق کجا۔ انسان

جو مٹی کا پُتلا ہے اور ایک گندے پانی سے وجود میں آیا ہے اس میں صفتِ خداوندی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔ اسے چاہیئے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے۔ تواضع، عاجزی اور انکساری اختیار کرے اور اپنی عقل و فہم پر نازاں نہ ہو۔ کیونکہ ایک نہ ایک دن اسے اپنی اصل کی جانب لوٹنا اور گل سڑ کر مٹی ہو جانا ہے ۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندانِ لعنت گرفتار کرد

بعض متقی اور پرہیزگاروں میں بھی تکبر کا مادہ پایا جاتا ہے۔ لیکن ان کی نیت فاسد نہیں ہوتی، بلکہ وہ حکمِ خداوندی کے پیشِ نظر دنیا اور دنیا کی تمام اشیاء کو حقیر گردانتے ہیں اور اس صفت میں جب انہیں انہماک ہوتا ہے تو اُن سے کچھ ایسے امور و افعال صادر ہوتے ہیں کہ دیکھنے والے کی نظر میں وہ تکبر معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان پرہیزگاروں کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کجا کہ تکبر۔ لیکن عوام میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ بلکہ وہ آخرت کو ایک بے کار سی شے سمجھ کر اس متاعِ دنیا کو اُس پر ترجیح دیتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا۔

وظائف

جو شخص بیوی کے پاس جاتے وقت اس اسم کی دس بار تلاوت کریگا اللہ تعالیٰ اسے نیک لڑکا عطا فرمائے گا۔

جو شخص اس اسم کی کثرت کرے گا تو انشاء اللہ اسے عزت و جاہ حاصل ہوگی۔

اَلخَالِقُ — اَلبَارِئُ — اَلمُصَوِّرُ

خالق اس ذات کا نام ہے جو کسی شے کو عدم سے وجود میں لائے۔ بارئ اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کی خلقت میں کوئی نقص نہ ہو۔ اور مصور وہ ذات ہے جو مخلوقات کی صورتیں بناتا ہو۔ کیونکہ تصویر کے معنیٰ صورت بنانے کے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما کر اسے شکل و صورت عطا فرمائی۔

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ انہوں نے ان تینوں ناموں کو ہم معنیٰ قرار دیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی چیز کے بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے تین مدارج ہوتے ہیں۔ پہلا درجہ تو اندازہ ہے اس کے بعد اس کا وجود ہے۔ اور تیسرا درجہ اس کی شکل و ہیئت ہے۔ پہلے درجہ کے لئے خالق کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور دوسرے کیلئے بارئ اور تیسرے درجہ کے لئے مصور بولا جاتا ہے۔

مثلاً ایک شخص مکان بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو اولاً اس کا نقشہ تیار کرتا اور اس کے لئے سامان فراہم کرتا ہے۔ یہ پہلا درجہ ہے اسے خلقت کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد معمار مکان بناتا ہے۔ یہ دوسرا درجہ ہے اسے عربی میں برء کہتے ہیں جس سے بارئ بنا ہے۔ تیسرا درجہ اس مکان کی سپیدی اور نقش و نگار ہیں، اسے تصویر کہا جاتا ہے۔ اور یہ شے ہم نے مثال کے طور پر تحریر کی ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ان احتیاجات سے پاک ہے۔

کیونکہ وہ خود ہی اندازہ کرنے والا، خود ہی بنانے والا، اور خود ہی زینت بخشنے والا ہے۔

چونکہ یہ تینوں صفات خدا کا خاصہ ہیں اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاندار شئے کی تصویر بنانے کو حرام فرمایا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مصور کو حکم فرمائیں گے کہ اس تصویر میں جان ڈالو۔ اور جب تک وہ جان نہ ڈالے گا دوزخ میں جلتا رہے گا۔ اور جان ڈالنا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا کام نہیں۔ اسی لئے ایک اور حدیث شریف میں فرمایا۔

أُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ	یہ قیامت کے روز اللہ کے نزدیک مخلوق میں
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (البخاری)	سب سے بدترین لوگ ہوں گے۔

وظائف

جو شخص نصف شب میں ایک گھنٹہ یا خالق کا ورد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نورِ ایمان سے منور فرمائیں گے۔

جو شخص اسم الخالق کو سات روز تک متواتر سو بار پڑھے گا انشاء اللہ تعالیٰ تمام آفات سے سالم رہے گا۔

اگر بانجھ عورت سات روز متواتر روزہ رکھے اور پانی سے افطار کرے اور افطار کے بعد اکیس بار البارئ المصور پڑھے تو انشاء اللہ اولادِ نرینہ عطا ہو۔

الغَفَّارُ

غفار غفر سے مشتق ہے جس کے معنیٰ چھپانے اور ڈھانپنے کے آتے ہیں اور مغفرت خداوندی کا مقصود یہ ہے کہ بندوں کے گناہوں کی پردہ پوشی فرمانا اور ان پر اپنا فضل و رحمت فرمانا ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ بندے کے گناہوں پر مواخذہ فرماتا تو کوئی بھی اسکے عذاب سے محفوظ نہ رہتا۔ حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے:۔

عَبْدِيْ لَوْ اَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ	اے میرے بندے اگر تو زمین بھر گناہ لے کر میرے
الْاَرْضِ ذُنُوْبًا لَاَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا	پاس آئے گا۔ تو میں زمین بھر مغفرت لے کر تیرے
مَغْفِرَةً مَا لَمْ تُشْرِكْ (مشکوٰۃ)	پاس آؤں گا لیکن اس شرط سے کہ تو شرک نہ کرے۔

تو غفار اُس ذاتِ کبریا کو کہا جاتا ہے کہ جو دنیا میں بندے کی خوبیاں تو ظاہر فرماتا ہو اور برائیوں پر پردہ ڈالتا ہو۔ اور آخرت میں اسکے گناہوں سے درگذر فرماتا ہو۔ اور اس فضل و رحمت میں بندے کی توبہ و عبادت کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ	کوئی شخص جنت میں اپنے عمل سے داخل نہ
بِعَمَلٍ قَطُّ قَالَتْ عَائِشَةُ	ہوگا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا
فَقُلْتُ وَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ	یارسول اللہ کیا آپ بھی؟ فرمایا نہ میں نہ میں قسم
وَلَا اَنَا وَلَا اَنَا وَالَّذِيْ نَفْسُ	ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی

مُحْتَجِبٌ بِيَدِهٖ اِلَّآ اَنْ تَغَمَّدَنِي — جان ہے۔ مگر ہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و
اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ (مشکوٰۃ) — کرم میں ڈھانپ لیا ہے۔

خدا تعالیٰ کی بندے کے ساتھ پہلی پردہ پوشی تو یہ ہے کہ بدنِ انسانی میں جو قبیح اور بُری اشیاء تھیں مثلاً پیشاب پاخانہ وغیرہ اسے پیٹ میں مخفی فرمایا اور اس کے چہرہ کو حسن و جمال سے مزین فرمایا۔

دوسری پردہ پوشی یہ ہے کہ روحانی عیوب مثلاً حسد، کینہ وغیرہ اسے دل میں مخفی فرمایا۔ کیونکہ اگر وہ لوگوں پر ظاہر ہوتا تو دوسرے اسکے دشمن بنتے اور اس کی زندگی کے درپئے آزار ہوتے۔

اور تیسری پردہ پوشی یہ ہے کہ بندے کے گناہوں کو چھپایا۔ حالانکہ وہ بندہ اس قابل تھا کہ اسے مخلوق کے سامنے ذلیل و خوار کیا جاتا۔ اور وعدہ فرمایا کہ مومن کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل فرمادیں گے۔

اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ دوسرے کی پردہ پوشی کرے اور غیبت سے پرہیز کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ سَتَرَ عَلٰی مُؤْمِنٍ عَوْرَتَہٗ — جو کسی مومن کا پردہ چھپائے گا اللہ تعالیٰ قیامت
سَتَرَ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ — کے روز اس کا پردہ چھپائیں گے اور جو کسی مومن
وَمَنْ کَشَفَ عَلٰی مُؤْمِنٍ عَوْرَتَہٗ — کا پردہ فاش کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز
کَشَفَ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ یَوْمَ — اس کا پردہ فاش فرمائیں گے۔
الْقِیٰمَۃِ۔ (ترمذی)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ حضور کی خدمت میں ایک شخص آیا۔ آپ

نے فرمایا کہ تیرے منہ سے مردار گوشت کی بو آرہی ہے۔ اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کھایا، اس لئے کہ میں روزہ سے ہوں۔ مردار گوشت تو کجا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تو نے اپنے مسلم بھائی کی غیبت کی ہے۔ یعنی مردار گوشت کھانا اور غیبت کرنا مساوی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا — تم میں سے بعض بعض کی غیبت نہ کریں کیا تم میں
اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ — سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت
اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ (الحجرات) — کھائے اور اسے تم برا سمجھتے ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بار ایک مردار پر سے گذرے جس میں سے بدبو آرہی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ دیکھئے اس مردار سے کتنی بدبو پھیلی ہوئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کے دانت کتنے عمدہ ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ دوسرے کی خوبیاں ذکر کرنی چاہئیں، نہ کہ برائیاں ممکن ہے کہ تمہارا انجام اس سے بدتر ہو۔

وظائف

جو شخص نماز جمعہ کے بعد اس اسم کو سو بار پڑھے گا اس پر انشاء اللہ تعالیٰ مغفرت خداوندی کے آثار ظاہر ہونے لگیں گے۔ اور ہر تنگی رفع ہوگی اور بے شمار رزق حاصل ہوگا۔

یاد رکھئے کہ مغفرت سے اللہ تعالیٰ کے تین اسماء مشتق ہیں۔ غافر غفور اور غفار۔ غفار میں سب سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے جس کے معنی ہیں بے انتہا پردہ پوشی فرمانے والا۔

اَلْقَهَّارُ

قہار اور قاہر اس ذات کی صفت ہے جو ہر شئے پر کامل قدرت رکھتی ہو اللہ تعالیٰ
کا ارشاد ہے:-

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ (الانعام) وہ اپنے بندوں پر کامل قدرت رکھنے والا ہے

تو جتنی بھی موجودات ہیں ان کے غلبہ و قدرت کے تحت داخل
ہیں امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قاہر اور قہار وہ ذات ہی جو ظالموں
اور سرکشوں سے مظلوموں کا انتقام لیتی ہو۔ بایں طور کہ ظالموں کو ہلاک
کرتی اور ان کو ذلیل و رسوا کرتی ہو۔ اور کوئی موجود شے ایسی نہیں جو اس
کے قبضۂ قدرت میں نہ ہو بلکہ قدرتِ انسانی بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے
اور بندے میں قہاریت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور شیطان سے
انتقام لے۔ اور شیطان سے انتقام یہ ہے کہ اسکی خواہشات کو روندتا
اور پھر ہر چھوٹی اور بڑی بات میں خدائے واحد قہار سے لو لگائے رکھے
کیونکہ اگر ان دونوں چیزوں پر اسے قدرت حاصل ہو گئی تو اسے تمام دنیا
پر قدرت حاصل ہو گئی اور ہر مکرو حرام کا ترک آسان ہو گیا۔

وظائف۔ جو شخص حبِ دنیا اور ماسوی اللہ کی عظمت میں مشغول ہو وہ اس
اسم کا کثرت سے ورد کرے۔ اسکے دل سے دنیا کی محبت و عظمت جاتی رہے گی
اور انشاء اللہ اسے دشمنوں پر فتح حاصل ہو گی ـــــ جو شخص سحر کی بنا پر عورت
پر قادر نہ ہو۔ یہ اسم چینی کے برتن پر لکھ کر اس شخص کو پلایا جائے۔ انشاء اللہ سحر دفع

اَلْوَهَّابُ

بے سوال کے عطا فرمانے والا۔ اور ایسا دینے والا جس کا کوئی ثانی نہ
ہو۔ اور یہ اسم ہبہ سے مشتق ہے جس کے معنٰی بغیر عوض اور بغیر کسی غرض کے
دوسرے کو عطا کرنا ہے۔ اور جو اس طرح مال کو لٹاتا اور دوسروں کو دیتا رہتا
ہو اسے جواد اور وہاب کہتے ہیں۔

اور فی الحقیقت جود و عطا اور بے غرض و غائت ہبہ اللہ تعالیٰ
ہی کے لئے خاص ہے کیونکہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں جو بغیر کسی معاوضہ
اور غرض و غائت کے عطا کرتا ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ انسان کی بعض
اوقات عطا سے غرض اس وقت معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ مستقبل میں اس
معاوضہ کی امید ہوتی ہے۔ دنیاوی عطایا اور ہدایا سے ترک نظر کرتے ہوئے
انفاق فی سبیل اللہ (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا) کو دیکھئے کہ اس میں بھی یہ
غرض و غائت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا معاوضہ ہمیں آخرت میں عطا
فرمائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کو معاوضہ کی حاجت نہیں۔

بندوں میں وہاب اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جو لوگوں کو بغیر کسی خوف
اور ڈر کے عطا کرتا ہو۔ نہ ان سے بدلہ کا خواہاں ہو اور نہ اس عطا سے اسکی
غرض جزاء اخروی ہو۔ یعنی دخولِ جنت وغیرہ۔ بلکہ صرف غرض و غائت اللہ
تعالیٰ کی محبت اور احکام کی اتباع ہو۔

اس اسم کی صفت یہ ہے کہ بندہ کو چاہیئے کہ لوگ جس چیز کے محتاج ہوں

یہ انہیں بلا غرض عطا کرے اور اس نعمت پر شکر الٰہی بجالائے۔ حدیث میں آیا
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء کو ارشاد فرمایا۔

أَنْفِقِي يُنْفَقُ عَلَيْكِ وَلَا	اے اسماء خوب خرچ کر تجھ پر خوب خرچ کیا جائیگا
تُمْسِكِي يُمْسَكُ عَلَيْكِ وَلَا	(یعنی خدا تعالیٰ خوب رزق مہیا فرمائیں گے) ہاتھ
تُحَاسِبِي يُحَاسَبُ عَلَيْكِ	نہ روک تجھ پر بھی ہاتھ روک لیا جائے گا۔ شمار
(ترمذی)	نہ کر تجھے بھی شمار کرکے دیا جائے گا۔

کیونکہ انسان کے پاس جتنا مال اور دولت ہے وہ اللہ کا عطا کردہ ہے اور اس نے یہ مال اس لئے عطا کیا ہے کہ تم دوسروں کی ضروریات کے کفیل بنو۔ اور پھر بھی اگر کوئی بخل کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ دوسرے کے مال پر قبضہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ اس کا مال نہیں۔ اگر وہ اس کا مالک ہوتا تو قبر میں بھی ساتھ لے کر جاتا۔ حالانکہ اسکی موت کے بعد اس مال کے مالک اس کے وارث ہو جائیں گے۔

وظائف

جو شخص فقر و فاقہ میں مبتلا ہو تو چاشت کی نماز میں اخیر سجدہ میں اسے چالیس بار ہمیشہ پڑھا کرے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فقر و فاقہ کو دُور فرمائیں گے۔ اسی طرح جو اس اسم کی کثرت کریگا مخلوق سے بے نیاز ہوگا۔

جو شخص نماز صبح کے بعد اس اسم کا تین سو بار ورد کرے اور اول آخر گیارہ بار درود پڑھے اور بعد میں دعا کرے اللہ تعالیٰ اس پر رزق کے دروازے کشادہ فرمائیں گے۔ اسی طرح اس کا سوا لاکھ بھی مفید ہے۔

الرَّزَّاقُ

رزق اور اس کے اسباب پیدا فرمانے والا۔ اور وہ چیزیں وجُود میں لانے والا جو جسم و روح کے لئے معاون و مددگار ثابت ہوں جیسے غذائیں اور علوم و معارف وغیرہ۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ رزاق وہ ذات ہے جس نے رزق اور رزق سے فوائد حاصل کرنے والوں کو پیدا فرمایا۔ اور ان کے فوائد کے لئے اسباب مہیا فرمانے والا۔

رزق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رزق ظاہر، ایک رزق باطن۔ رزق ظاہر تو غذائیں اور وہ چیزیں ہیں جو بدن کے لئے فائدہ مند ہوں۔ اور رزقِ باطن علوم و معارف ہیں۔ اور یہ اشرف رزق ہے۔ کیونکہ رزقِ ظاہر تو صرف بدن کے لئے کارآمد ہے اور وہ بھی ایک مدتِ معینہ تک۔ لیکن رزقِ باطن ابدی ہے جس کا فائدہ آخرت میں بھی جاری ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ دونوں قسم کے رزقوں کا کفیل ہے جس کے لئے چاہتا ہے اور پسند فرماتا ہے اس کیلئے ہر دو رزق کشادہ فرماتا اور جس کے لئے چاہتا ہے اسے ایک رزق عطا فرماتا ہے۔

انسان پر اس صفت سے دو قسم کے احکام صادر ہوتے ہیں۔

اولاً یہ کہ جب انسان کو یہ امر معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ ہی
رزق عطا فرماتا ہے اور اس کے علاوہ کسی میں رزق دینے
کی قدرت نہیں۔ تو اب اسے چاہیئے کہ بجز خدا کے رزق کا کسی سے
طالب نہ ہو۔ اور نہ اللہ کے علاوہ کسی پر بھروسہ کرے۔ بلکہ اس کی ذات
کے علاوہ کسی اور سے رزق یا کسی قسم کی امداد کا طلب کرنے والا
کافر ہے۔ اس لئے کہ وہ رزاقیت خداوندی کا منکر ہے۔ دوسری
چیز یہ ثابت ہوتی ہے کہ جب رزق کی دو قسم ہیں تو انسان کو چاہئے
کہ خدا تعالیٰ سے رزق روحانی طلب کرے۔ یعنی ہدایت و علم۔ اور
زبان جو لوگوں کو ہدایت کرے اور وہ مال جو اللہ کی راہ میں لٹایا
جائے۔ اور اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو محبوب رکھتا ہے تو لوگوں کی
حاجتیں اس سے متعلق ہو جاتی ہیں۔ اور اسے دوسروں کی حاجتیں
برلانے میں لطف محسوس ہونے لگتا ہے۔

وظائف

جو شخص نماز صبح سے قبل مکان کے چاروں کونوں میں دس
دس بار اس اسم کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر رزق کی کشادگی فرمائیگا
یہ عمل قبلہ کی داہنی جانب سے شروع کیا جائے۔

الفتاحُ

فتاح وہ ذات ہے جسکی عنایت سے ہر مصیبت دور ہوتی ہو۔ اور اسی کی ہدایت
سے ہر مشکل آسان ہوتی ہو۔ اور اسی کے ذریعہ دشمنوں پر فتح حاصل کی جاتی ہو اور
فتوح خداوندی کے مختلف طریقے ہوتے ہیں کبھی انبیاء کرام کے ذریعہ رشد و ہدایت
سے کھولے جاتے ہیں اور خدا کے دشمنوں کو ذلیل کیا جاتا ہے۔ کبھی اولیاء کے
قلوب پر کشف و الہام کے ذریعہ فتوح فرمایا جاتا ہے۔ اور کبھی قدرتی طور پر
معجزات کے ذریعہ۔ اور ان فتوحات اور اس کی اقسام کا علم بھی اللہ ہی کے
لئے خاص ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ	اور اس کے پاس غیب کی چابیاں ہیں
لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ	جنہیں اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

ایک مقصود یہ بھی ہے کہ اپنی مخلوق پر اپنی رحمت کے خزانے کھولنے والا۔
اور اس مطلب کی یہ آیت تائید کرتی ہے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ	جو کچھ اللہ لوگوں کے لئے رحمتوں کے دروازے
رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا	کھولتا ہے نہ اسے کوئی بند کرنے والا ہے اور
مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ	نہ اس کے بعد کوئی بھیجنے والا۔

انسان کیلئے اس اسم میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ انسانی علوم کے حاصل کرنے میں مشغول
رہے حتیٰ کہ اس پر علوم کی مشکلات حل ہونے لگیں اور جن دقیق مسائل کا دوسروں سے حل
ممکن نہ ہو وہ اس پر ظاہر ہونے لگیں اور اہل دنیا کی علمی حاجتیں اس سے وابستہ ہو جائیں
وظائف۔ جو شخص نماز فجر کے بعد دونوں ہاتھ سینہ پر رکھکر ستر بار اس اسم کا ورد
کرے گا۔ اس کا دل ہدایت و ایمان سے منور ہو گا۔

العَلِیْمُ

علیم وہ ذات ہے جس کا علم ہر شے کو محیط ہو۔ چھوٹی، بڑی، ظاہر و باطن۔ اس کی ابتدا و انتہا۔ اس کا عدم و وجود۔ الغرض اس کا علم اتنا کامل ہو کہ اس کا تصور بھی ممکن نہ ہو۔ اور یہ علم اشیاء کے ذریعہ حاصل نہ ہو بلکہ تمام معلومات اسی سے حاصل ہوتی ہوں۔ اور وہ اپنے علم میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ اور یہ صفت بجز ذاتِ خداوندی کے کسی پر صادق نہیں آتی۔ بلکہ جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ یہ صفات اوروں میں پائی جاتی ہیں۔ وہ تمام علماء کے نزدیک کافر ہے۔ اسی لئے سوائے خدا کے کسی کو علیم نہیں کہہ سکتے۔ اور اسی معنٰی میں عالم ہے اور یہ بھی خدا کا نام ہے۔ اور عالم اسے کہا جاتا ہے کہ جس کے ساتھ علم قائم ہو۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور اس سے ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہیں ہو سکتی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کو بھی جانتا ہے اور ان تمام مخلوقات اور اشیاء جو وجود میں آچکیں اور آئندہ ظہور پذیر ہونگی۔ اور جن کا وجود ممکن ہے اور جن کا وجود محال ہے۔ وہ کل غیبوں کو جانتا ہے۔ اور غیب کا جاننے والا بجز اللہ کے کوئی نہیں۔ ارشاد ہے:۔

لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ	اللہ کے علاوہ غیب کوئی نہیں جانتا۔

صرف اسی کی ذات جانتی ہے کہ قیامت کا وقوع کب ہوگا۔ ماں کے پیٹ میں کیا ہے، لڑکا ہے یا لڑکی؟ بارش کب ہوگی۔ آدمی کل کیا کمائے گا۔ اور آدمی کی موت کہاں واقع ہوگی۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ	اسی کے پاس قیامت کا علم ہے وہی جانتا
وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ	ہے کہ بارش کب نازل فرمائے گا اور وہی جانتا
مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ	ہے کہ رحم مادری میں کیا ہے۔ اور کوئی نہیں
نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا	جانتا کہ آدمی کل کیا کمائے گا اور کوئی نہیں
وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ	جانتا کہ آدمی کس سرزمین میں مرے گا۔
اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰہَ	یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے اور ہر
عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝ (لقمان)	شئے سے خوب خبردار ہیں۔

قدرت نے انسان کو بھی علم عطا کیا ہے اور سب سے زیادہ علم انبیاء کرام کو عطا کیا جاتا ہے لیکن علمِ خداوندی اور ان کے علم میں بہت نمایاں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اسکی ذات سے ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی جدائی ممکن نہیں۔ لیکن انبیاء کرام کا علم نبوت کے بعد ہوتا ہے اور موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔

دوسرے اللہ تعالیٰ اپنے علم میں کسی کا محتاج نہیں اور انبیاء کرام اپنے علم میں خدا کے محتاج ہیں۔

تیسرے خدا کا علم کلی ہے یعنی ہر ہر چیز کو شامل ہے اور انبیاء کرام کا علم

محدود-یعنی اول تو ہر شے کو شامل نہیں-پھر اس کے لئے ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی-اور علمِ خداوندی کے لئے نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔

اسی باعث اللہ کے علاوہ کسی کو علیم یا عالم الغیب قرار دینا عین کفر ہے-کیونکہ اگر یہ تمام صورتیں کسی انسان میں تسلیم کر لی جائیں تو صفتِ خداوندی میں شرکت لازم آئے گی اور یہ شرک فی العلم ہوگا- اور اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں- اسی لئے قرآن مجید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے لئے بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں (چہ جائیکہ کسی اور کیلئے) مگر جتنا اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنے لئے بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا۔ اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی- میں تو ایمان والوں کو ڈرانے اور خوشخبری سنانے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

(الاعراف)

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ

آپ فرما دیجئے میں تم سے یہ کب کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ تحقیق میں فرشتہ ہوں- میں تو صرف اس شے کی اتباع

اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ

کرتا ہوں جو میرے پاس وحی کی جاتی ہے۔

(الانعام)

چوتھا فرق یہ ہے کہ انسان کا علم اشیاء سے متعلق ہوتا ہے لیکن علم اشیاء خود متعلق ہوتی ہیں-یعنی جو چیزیں وجود میں آچکیں یا جن چیزوں کا وجود میں آنا ممکن ہے انبیاء کرام کا علم اس سے متعلق ہوگا-لیکن یہ موجودات علم خداوندی ہی سے وجود میں آتی ہیں-یعنی ان موجودات کا وجود بعد میں ہے اور علمِ خداوندی اس کے وجود سے قبل ہے۔

پانچویں انبیاء کرام کا علم حواس ظاہرہ اور باطنہ سے متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ حواس کا محتاج نہیں۔

وظائف

جو شخص ہر نماز کے بعد اس اسم کو سو بار تلاوت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے صاحبِ کشف وایمان فرمائیں گے۔

جو شخص اس اسم کی کثرت کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر اپنے علم ومعرفت کے دروازے کشادہ فرمائیں گے اور اس کا حافظہ قوی ہوگا۔

جو شخص رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی تلاوت کرے گا انشاء اللہ اس کے علم میں اضافہ ہوگا۔

الْقَابِضُ — الْبَاسِطُ

قابض وہ ذات ہے جو انسانوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق بند کر دے۔ جس طرح چاہے بند کرے۔ اور باسط اس کے مقابل ہے یعنی جس کے لئے چاہے جس وقت مناسب سمجھے رزق وسیع کرے

بعض علماء کا خیال ہے کہ قابض وہ ذات ہے جو روحیں قبض کرتی ہو۔ اور باسط اجسام میں روحیں ڈالنے والا۔

بعض علماء فرماتے ہیں قابض وہ ہے جو اغنیاء اور امیروں کے صدقات قبول کرتا ہو۔ اور باسط وہ ہے جو فقراء اور اغنیاء پر رزق کشادہ کرتا ہے۔ حتیٰ کہ فقر و فاقہ باقی نہیں رہتا۔ اور فقراء سے مال قبض کرتا ہے حتیٰ کہ طاقت بھی باقی نہیں رہتی۔ اور قرآن مجید بھی انہی معنیٰ کی تائید کرتا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (البقرۃ)

کون ہے وہ شخص جو اللہ کو قرض حسن دے تو وہ اسے بے گنت زیادہ کر کے عطا فرمائے اور اللہ ہی رزق بند کرتا اور کھولتا (یعنی عطا کرتا ہے) اور اسی کی جانب تم لوٹ کر آؤ گے۔

اور دلوں کو قبض فرماتا یعنی ان سے ایمان و ہدایت اور عقل و فہم کو قبض کرتا اور کسی پر اپنی ہدایت و رحمت اور عقل و فہم کے دروازے کھولتا ہے۔

انسان کا فرض ہے کہ جب اس پر روزی تنگ ہو اور فقر و فاقہ کی مصیبت میں گرفتار ہو تو ان بلاؤں پر صبر کرے اور خدا سے امداد کا طالب ہو۔ اور اپنی بلاؤں کا ہر ایک سے شکوہ نہ کرے کیونکہ بلائیں دو حال سے خالی نہیں ہوتیں۔ یا تو کسی گناہ کی بنا پر بطور سزا بلا کا نزول ہوتا ہے اور اس کا دفعیہ عملِ صالح ہی سے ممکن ہے اسی لئے ارشاد ہوا ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرۃ)

اے ایمان والو صبر اور نماز کے ذریعہ (خدا سے) امداد طلب کرو۔

یا خدا تعالیٰ کی جانب سے اس کے ایمان اور تقویٰ کی آزمائش ہوتی ہے۔ اور شکوہ و شکایت امتحان میں ناکامی کا ثبوت ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ

اور ہم تمہیں کچھ خوف، کچھ بھوک اور مال و جان اور پھلوں کے ضائع کرنے کے ساتھ آزمائیں گے۔ اور آپ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) ان صابرین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جب انہیں کوئی

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کی ملکیت تھے اور ہم اللہ ہی کی جانب لوٹ جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی جانب سے مغفرتیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ (اصل میں) ہدایت یافتہ ہیں۔

(البقرة)

اور جب خدا تعالیٰ بندے کو مال عطا فرمائے تو خدا کا شکر بجالائے اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ اس لئے کہ مال جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب بھی ہے۔ اس لئے کہ جب بندہ مال کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ نہیں کرتا تو وہ عذابِ خداوندی کا سبب بن جاتا ہے۔ اور حرص، بخل اور خود غرضی اور حسد پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ سب چیزیں دین کو فنا کر دیتی ہیں۔

وظائف

جو شخص روٹی کے چالیس لقموں پر اسے چالیس روز تک متواتر القابض لکھ کر کھائے گا اسے زخم اور درد کی تکلیف محسوس نہ ہوگی۔

جو شخص نمازِ چاشت کے بعد آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر دس بار یا الباسط پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے غنی فرمائیں گے۔

الخافِضُ ـــ الرَّافِعُ

یہ دونوں اسماء قرآن مجید میں موجود نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ان کا بیان فرمایا ہے۔ اور یہ دونوں فعلِ خداوندی کی صفت ہیں۔ جسے چاہے اپنے انعام و اکرام سے بلند فرمائے۔ اور اپنے انتقام کے ذریعہ جس کا جی چاہے رتبہ گراتا ہے۔ اپنے دشمنوں کو ذلیل کرتا اور اپنے دین کے مددگاروں کی امداد فرماتا ہے۔ کفار کو ان کی گمراہی کے ذریعہ اخروی سعادت سے محروم کرتا اور مومنین کو اخروی سعادت کے ذریعہ بلند فرماتا ہے۔ اپنے دشمنوں کو اپنے قرب سے دور کرتا اور اپنے دوستوں کو اپنے قرب سے نوازتا ہے۔ اور جو اس کے قرب کا متلاشی ہوتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کا درجہ بلند فرما کر ملائکہ مقربین کے رتبہ تک پہنچاتا ہے۔ اور جو اس کے احکام سے غفلت برتتا ہے اور شہواتِ نفسانیہ پر کاربند ہوتا اور حُبِّ دنیا میں منہمک ہوتا ہے خدا تعالیٰ اسے ذلیل فرما کر اسفل السافلین میں پہنچا دیتا ہے۔ اور یہ تمام امور بجز ذاتِ خداوندی کے اور کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ بایں معانی وہ خافض بھی ہے اور رافع بھی ہے۔

اِن ہر دو صفات سے بندے کا نصیب یہ ہے کہ حق کو بلند کرنے کی کوشش کرے اور باطل کو حتی الامکان مٹانے کی سعی میں منہمک رہے۔

دین کے دشمنوں سے عداوت رکھے اور اللہ کے دوستوں اور پرہیزگاروں سے محبت کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ (بخاری)

جس نے کسی سے اللہ ہی کے لئے محبت کی اور اللہ ہی کے لئے دشمنی برتی اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا۔

وظائف

جو شخص پانسو بار الخافض کی تلاوت کرے گا اللہ تعالیٰ اسکی حاجتیں پُوری فرمائے گا اور اس کی مشکلات دُور ہونگی۔

جو شخص تین روزے رکھے اور چوتھے روز ایک ہی مجلس میں الخافض پڑھے تو دشمن پر فتح حاصل ہو۔

جو شخص ستر بار الرافع کی تلاوت کرے گا دشمنوں سے محفوظ رہے گا۔

اگر ہر ماہ کی چودھویں شب میں آدھی رات کے وقت سو بار الرافع کی تلاوت کی جائے اللہ تعالیٰ اسے تونگری عطا فرمائیں اور مخلوق سے بے نیاز فرمائیں۔

اَلْمُعِزُّ — اَلْمُذِلُّ

جسے چاہے عزت دینے والا۔ اور جسے چاہے ذلیل کرنے والا۔ اور چونکہ عزت و ذلت کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ کبھی عزت و ذلت دنیا میں ہوتی ہے اور کبھی آخرت میں۔ کبھی کسی کو ملک دیکر عزت دار بناتا اور کبھی ملک و دولت چھین کر ذلیل و خوار کرتا ہے۔ کبھی اپنی مغفرت و رحمت کے ذریعہ بندہ کو آخرت میں ہمیشہ کی سعادت سے نوازتا اور کبھی دوزخ میں دھکیل کر ابدی ذلت کا جامہ پہناتا ہے۔ اور اصل عزت مومنین و متقین کے لئے ہے۔ چاہے وہ ظاہر میں اہلِ دنیا کی نظروں میں وہ ذلت کی زندگی گذار رہے ہوں۔ منافقینِ مدینہ نے جنگِ تبوک کے درمیان فیصلہ کیا تھا۔

لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون)

ان میں سے جو عزت دار ہیں وہ ذلیلوں کو ضرور بالضرور نکال دیں گے۔

یہاں سے منافقین نے اپنے آپ کو عزت دار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کو ذلیل (نعوذ باللہ من ذالک) قرار دیا تھا اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ — اور (دراصل) عزت اللہ اور اس کے رسول
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ — اور مومنین کے لئے ہے۔ لیکن (ابھی
لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (المنافقون) — منافقین جانتے نہیں۔

یعنی منافقین اور اہلِ دنیا جس چیز کو عزت سمجھتے ہیں وہ در
عزت نہیں اور جسے ذلت خیال کرتے ہیں وہ ذلت نہیں۔ بلکہ
تعالیٰ جس شے کو عزت قرار دے وہ عزت ہے اور جسے ذلت ق
دے وہ ذلت ہے۔

وظائف

جو شخص بروز دوشنبہ یا بروز جمعہ بعد نماز مغرب چالیس
المعز پڑھے گا۔ خدا تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت پ
فرمائیں گے۔ اور لوگوں کی نظروں میں عزیز ہوگا۔
جو شخص پچھتر بار المذل پڑھے اور سر بسجود ہو کر خدا تعالیٰ سے
کرے تو حاسد کے حسد سے محفوظ رہے۔ اور جس شخص کا دوسرے
ذمہ حق آتا ہو اور وہ ادا نہ کرتا ہو۔ اس اسم کی بکثرت تلاوت کرے۔ ا
اللہ تعالیٰ وہ اس کا حق ادا کر دے گا۔

السَّمِيْعُ

سمیع، سمع سے مشتق ہے جس کے معنیٰ سننے کے آئے ہیں۔ اور سمیع
کے معنیٰ بہت سننے والا۔ اور سامع کے معنیٰ سننے والا۔ انسانوں اور
حیوانات میں یہ صفت بایں طور پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے کانوں کے
سوراخوں کے ذریعے سنتے ہیں۔
لیکن خدا کے سننے اور بندے کے سننے میں بہت سے مراتب میں
فرق ہے۔
بندہ کانوں کے سوراخوں کے ذریعہ سنتا ہے اور جب اسکے کان
خراب ہو جاتے یا بند ہو جاتے ہیں تو اس کا سننا بھی بند ہو جاتا ہے او
قوتِ سماع مفقود ہو جاتی ہے۔
لیکن خدا تعالیٰ سننے میں کانوں کا محتاج نہیں۔ نہ اس کے جسم ہے
نہ کان ہیں وہ ان عوارض سے پاک ہے۔
بندہ کو موت تک قوتِ سماع دی گئی ہے اور موت کے ساتھ اور
قوتوں کی طرح یہ قوت بھی فنا ہو جاتی ہے۔ اور پیدائش سے قبل بھی اس قوت
کا وجود نہ تھا۔
لیکن خدا تعالیٰ چونکہ ازلی ابدی ہے۔ نہ اسے پہلے ازل میں کبھی فنا تھی
اور نہ کبھی فنا ہوگی۔ تو جیسے وہ خود فانی نہیں اسکی قوتِ سماع بھی فانی نہیں
اور جیسے وہ خود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اسی طرح اس کی یہ قوت

بھی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ باقی رہے گی۔

بندہ کو جو قوتِ سماع دی گئی ہے وہ محدود ہے۔ یعنی بندہ قریب کی
آواز سننے پر قادر ہے لیکن دور کی آواز سننے سے وہ قاصر ہے۔ اسی طرح
بلند آواز کو وہ سن سکتا ہے اور آہستہ آواز کے سننے سے مجبور ہے۔

لیکن خدا تعالیٰ جیسے قریب کی سنتا ہے ویسے ہی دور کی بھی سنتا ہے
اور جیسے بلند آواز سنتا ہے بعینہ اسی طرح ہلکی سے ہلکی آواز بھی سنتا ہے
حتیٰ کہ دلوں کی آواز بھی اور اندھیری شب میں چکنے پتھر پر ایک چیونٹی کے
چلنے کی آواز بھی سنتا ہے۔

بندہ اپنے سننے میں خدا کا محتاج ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ اگر کان نہ
دیتا یا کان دیتا لیکن کانوں کے سوراخ بند کر دیتا۔ یا دونوں چیزیں عطا
فرماتا لیکن قوت سماع عطا نہ کرتا تو بندہ کیسے سنتا۔

لیکن خدا تعالیٰ اپنے سننے میں کسی شئے کا بھی محتاج نہیں۔ نہ کسی دوسری
چیز کا نہ کانوں کا اور نہ قوتِ سماع کا۔

بندہ ان چیزوں کو سنتا ہے جن کا تعلق آواز سے ہے
لیکن خدا کا سننا آواز کا محتاج نہیں۔ وہ جیسے آواز کو سنتا ہے اسی
طرح ان چیزوں کو بھی سنتا ہے جن کا سننے سے کوئی تعلق نہیں مثلاً رنگ و بو وغیرہ
خدا اور بندہ کے سماع میں اور بھی بہت سے فرق مراتب ہیں تو جو اشخاص
اس امر کے قائل ہیں کہ انبیاء یا اولیاء کرام ہر بات سنتے اور جانتے ہیں وہ
ان تمام امور پر خوب غور کر لیں۔ یاد رکھئے کہ جب خدا تعالیٰ کی کسی صفت

میں کسی کو بھی شریک قرار دیا جائے گا تو شرک لازم آئے گا اور اسے شرک
فی السماع کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اسکی تشریح العلیم میں بیان کر چکے ہیں۔
اسی لئے بندہ کو سمیع کہنا جائز نہیں۔

وظائف

جو شخص جمعرات کے روز چاشت کی نماز کے بعد پچاس بار اس
اسم کو پڑھے گا۔ اس کی دعائیں قبول ہونگی۔

اَلْبَصِیْرُ

بصیر بصر سے بنا ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں نظر آنے والی چیزوں کو دیکھنا
اور بصیر کے معنیٰ خوب دیکھنے والا۔

خدا تعالیٰ کے لئے اس صفت کا مقصود یہ ہے کہ وہ ہر شے کو دیکھتا،
وہ چھوٹی ہو یا بڑی، دور ہو یا نزدیک، حتیٰ کہ تحت الثریٰ کے نیچے کی چیزوں
کو بھی دیکھتا ہے۔ اور وہ اپنے دیکھنے میں کسی چیز کا بھی محتاج نہیں۔ نہ نگاہوں
کا، نہ قوتِ بصر کا اور نہ کسی اور شے کا۔ نہ انسانوں کی طرح اس کی
بصارت کے لئے فنا ہے۔ اور بندے اور خدا کے دیکھنے میں وہی
فرق مراتب ہیں جو ہم السمیع میں ذکر کر چکے ہیں۔ اور جیسے سماع میں
خدا کا کوئی شریک نہیں اسی طرح بصارت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں
اور جس طرح ہم بندے کو سمیع اور علیم نہیں کہہ سکتے اسی طرح بصیر بھی

نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ان اسماء میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ بلکہ بندے کو
عالم، سامع اور باصر کہیں گے۔

اِس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اول تو یہ سوچے کہ خدا تعالیٰ نے
اسے بے کار عطا نہیں فرمائی ہیں۔ بلکہ اس لئے عطا کی گئی ہیں کہ زمین
آسمان اور اپنی خلقت پر غور کرے کہ ان تمام چیزوں اور خود اس کے
کو بے کار وجود میں نہیں لایا گیا۔ اور یہ تمام نظامِ عالم خود بخود نہیں چل
رہا ہے بلکہ اس کا کوئی نہ کوئی چلانے والا ہے تو اولاً توحیدِ ربانی کا اقرار
کرے۔ اور ثانیاً جن چیزوں کے دیکھنے کی خدا تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے
ان کے دیکھنے سے احتراز کرے۔ اور گناہ کرتے وقت یہ سوچ لیا کرے کہ خدا
تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور وہ مالک الملک کی موجودگی میں اس کی بغاوت
کر رہا ہے۔ اور اگر گناہ کرتے وقت یہ خیال کرے کہ نعوذ باللہ خدا اسے نہیں
دیکھتا تو تمام علماء نے اس کے کفر کی تصریح کی ہے۔

وظائف

جو شخص نمازِ جمعہ کے بعد اس اسم کو سو بار پڑھے نگاہوں میں روشنی
پیدا ہو اور نیک اعمال کی توفیق ہو۔

جو شخص جمعرات کے روز نماز صبح کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان
اس اسم کو سو بار پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت سے منور
فرمائیں گے۔

اَلْحَکَمُ

حَکَم کے معنیٰ فیصلہ کرنا۔ اور حکم اس حاکم کو بولا جاتا ہے جس کے فیصلہ
کو کوئی ٹال نہ سکے۔ اور اس کے حکم کے بعد کسی کا حکم باقی نہ رہے اور جو حق و
باطل اور نیک و بد میں فیصلہ فرما دے۔ اور اصل میں تمام احکام اللہ ہی کیلئے ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ — اور حکم اللہ ہی کے لئے ہے اور اسی کی جانب تم لوٹ کر جاؤ گے۔

اسی لئے جو شخص اللہ کے حکم کے مقابل کسی اور کے حکم کو ترجیح دے
یا حکم خداوندی کا انکار کرے۔ یا زبان سے تو انکار نہ ہو لیکن اس کے حکم
کے مقابلہ میں دوسرے کے حکم کو پسند کرنا یا احکامِ خداوندی کو ناقص یا
وقتی سمجھتا ہے اسے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کافر قرار دیا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدة) — اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے لوگ کافر ہیں۔

انسان پر بھی یہ لفظ مجازی طور پر بولا جاتا ہے اس لئے کہ وہ
مخلوقات کے درمیان فیصلے کرتا ہے۔

اس اسم سے انسان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے دل اور خواہشات
پر فیصلہ کرے کہ کونسی خواہش حکم خداوندی کے مطابق ہے تاکہ اسے اختیار
کرے اور کونسی اس کے خلاف تاکہ اسے ترک کرے۔

دوسرے یہ کہ بندوں میں انصاف سے فیصلہ کرے۔ اس لئے کہ اسے

نیصلہ کی وقتی قدرت آزمائش ہی کے لئے عطا کی گئی ہے اور فیصلہ کے وقت
جانبداری سے کام نہ لے اور نہ دنیا کی خاطر غلط فیصلہ کرے۔ اور
تیسرے اس صفت پر مغرور نہ ہو کیونکہ جس ذات نے اسے قوتِ فیصلہ
عطا کی ہے وہ اسے سلب بھی کر سکتی ہے۔ اور بالکل معمولی طور پر یعنی زندگی
ہی ختم کر دے۔ یا قوتِ گویائی چھین لے۔

وظائف

جو شخص اخیر شب میں وضو کر کے اسے اعدادِ جمل کے اعتبار سے
(یعنی ۹۹ بار) پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل محل اسرار فرمائیں گے۔ اور
اسے کشف والہام کی قدرت عطا ہو گی۔

اَلْعَدْلُ

عدل کے معنیٰ فیصلہ کرنا یعنی انصاف۔ اور یہ لفظ خدا تعالیٰ پر بلحاظ مبالغہ
بولا جاتا ہے یعنی وہ سراپا عدل وانصاف ہے جس کے ہاں بے انصافی اور ظلم
کا کوئی سوال ہی نہیں۔ وہ اپنے احکام وافعال میں ظلم سے پاک ہے بلکہ اسکی
جانب ظلم وناانصافی کی نسبت کرنا کفر ہے۔ حتیٰ کہ اگر تمام انبیاء اور مقرب
فرشتوں کو بھی جو گناہوں سے معصوم ہیں جہنم میں ڈال دے تب بھی یہ اس کا
کوئی ظلم نہیں اس لئے کہ وہ خالق ہے اور یہ مخلوق اور خالق کو اپنی مخلوق
پر اختیار کلی حاصل ہے۔ مثلاً جیسے میں اپنی اس تحریر کو پھاڑ دینے اور

جلا دینے اور عزت سے رکھنے اور ہر چیز کا اختیار رکھتا ہوں لیکن میری
یہ تحریر اس بات کا حق نہیں رکھتی کہ مجھ سے کہے کہ تو نے مجھے پھاڑ کر یا
جلا کر مجھ پر ظلم کیا۔ بعینہٖ اسی طرح مخلوق بھی اس بات کا حق نہیں رکھتی کہ تو نے
مجھے موت دے کر یا جہنم میں ڈال کر مجھ پر ظلم کیا۔ اور انبیاء اور فرشتوں کا
ذکر میں نے اس لئے کیا ہے کہ وہ سب سے زیادہ مقرب ہیں۔ ورنہ اگر خدا
تعالیٰ تمام مخلوقات کو بھی جہنم میں ڈال دے تو اس سے سوال نہیں کیا
جا سکتا۔ حدیث میں آتا ہے نبی کریم صلی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ	یقیناً اگر اللہ تعالیٰ تمام اہل آسمان اور تمام اہل
سَمٰوٰتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ	زمین کو عذاب دینا چاہے تو انہیں ضرور عذاب
لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ	دے اور یہ اس کا کوئی ظلم نہ ہو گا۔ اور اگر ان پر رحم
لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ لَكَانَتْ	کرے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے
رَحْمَتُهٗ خَيْرًا لَّهُمْ مِّنْ	بہتر ہو گی۔
اَعْمَالِهِمْ	

لیکن اس تمام قدرت کے باوجود اس کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے
نیک بندوں کو جو اس کے احکام پر کاربند ہوں جنت میں بھیجے گا۔
اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ (انفطار) تحقیق نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے۔
اور تمام کافروں کو جو اس کی ذات یا احکام کے منکر ہوں جہنم میں ڈالے گا۔
وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (انفطار) اور یقیناً بدکار دوزخ میں ہوں گے۔
اور یہ اس کا انعام واکرام ہے۔ کیونکہ وہ اپنی اس قدرت کا بھی اظہار

کرسکتا تھا جو ایک خالق کو مخلوق پر ہوتی ہے۔ اور جس کا ذکر حدیث بالا میں آیا ہے۔ الحمد للہ علی احسانہ۔

بندے کیلئے اس اسم سے یہ احکام صادر ہوتے ہیں کہ وہ اس بات پر ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ ایسا عادل و منصف ہے جس کے فیصلے اور تدبیر و حکم اور اس کے کسی فعل پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ چاہے وہ فیصلہ بندہ کی مرضی کے مطابق ہو یا مخالف۔ کیونکہ اس کا ہر حکم و فعل عدل ہے۔ کیونکہ وہ اگر ایسا نہ کرتا تو کوئی نہ کوئی اور حکم ضرور کرتا اور ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوتا۔ اسی لئے ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ	اور یہ بات ممکن ہے کہ تمہیں کوئی امر گراں گزرے
خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا	حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ
شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ	تمہیں کوئی بات محبوب ہو اور وہ تمہارے لئے
يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ)	بری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

اور جب انسان حکمتِ الٰہیہ سے واقف نہیں اور انسان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ اس تکلیف کا جو اللہ تعالیٰ نے اس پر سزا ڈالی ہے دفع کرسکے تو اس کا واحد علاج صرف یہی ہے کہ وہ تابع مرضیٔ مولیٰ بن جائے۔ جیسے کہ کسی عالم سے کسی نے دریافت کیا کہ اگر بالفرض والمحال خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں تیر کمان ہو اور مخلوق اس کا شکار ہو تو اس کا کیا حل ہوگا۔ اس عالم نے جواب دیا اس کا حل یہ ہے کہ تم خدا کے قریب جا کے کھڑے ہو جاؤ۔ اس سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

دوسری چیز جو اس اسم سے بندے پر عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے احکام اور افعال میں عدل سے کام لے اور کسی پر اپنی ذات کو ترجیح نہ دے اور اگر اس سے کوئی غلطی واقع ہوئی ہو تو وہ اپنے لئے بھی وہی سزا تجویز کرے جو دوسرے کے لئے کرتا۔

وظائف

جو شخص جمعہ کے روز یا جمعہ کی رات میں روٹی کے بیس ٹکڑوں پر اسے لکھ کر کھائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے تمام مخلوق کو مسخر فرمائیں گے۔

اَللَّطِيْفُ

لطیف، لطف سے بنا ہے جس کے معنٰی ہیں بندوں پر مہربانی کرنا۔ اور لطیف اس ذات کو کہا جاتا ہے کہ جو تمام امور کی حکمتوں اور اسرار سے واقف ہو اور آنکھوں سے اس کا ادراک ممکن نہ ہو۔ اور جہت و جانب اور مکانیت سے منزہ و پاک ہو جس کیلئے نہ حد ہو نہ انتہا اور جس کا عقل و فہم ادراک نہ کرسکے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ	اسے نگاہیں احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ نگاہوں
يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ	کا احاطہ کرلیتا ہے اور وہ بہت ہی باریک بین
اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝	اور باخبر ہے۔

(الانعام)

اور ان تمام صفات کے باوجود وہ ہر شے سے قریب ہو۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ○ — اور ہم انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ لطیف وہ ذات ہے جو بندے کی مصیبتوں ا
غموں کو جلد دور فرما دیتا ہے۔ حدیث میں ہے:۔

اِنَّ لِلّٰہِ فِیْ کُلِّ طَرْفَۃِ عَیْنٍ نَظْرُ لُطْفٍ اِلٰی خَلْقِہٖ — اللہ کی ہر پلک جھپکنے (یعنی تھوڑی سی ساعت) میں بھی مخلوق کی جانب رحمت کی نظر ہوتی ہے۔

اور ایک معنٰی یہ بھی ہیں کہ اشیاء کو دوسری چیز کے پردہ میں چھپالینے و
یعنی اس کا ظاہر کچھ اور ہو اور باطن کچھ اور۔ یعنی چیزوں کو اسباب باطنہ ک
پردے میں چھپانے والا۔ جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک مد
دراز تک غلامی کے پردے میں چھپائے رکھا۔

اس اسم سے بندے پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ اللہ کے بندوں کے
ساتھ نرمی اور لطف سے پیش آئے۔ اور انہیں حکمت اور عمدہ طریقے کے
ساتھ ہدایت اور نیکی کی دعوت دے۔ اور اس میں کسی قسم کی سختی اور تعصب
سے کام نہ لے۔ اور دعوت کا سب سے بہترین طریق یہ ہے کہ انسان خود اپنے
آپ اعمالِ صالحہ اور اخلاق حسنہ اختیار کرے۔ دنیا خود اس کی جانب مائل
ہو جائے گی۔

وظائف

جو شخص ایک سو تینتیس بار اس اسم کو پڑھے گا اسکے رزق میں برکت
ہوگی۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اسکے تمام امور بخوشی انجام پذیر ہونگے۔

اَلْخَبِیْرُ

جو تمام اشیاء کی باریکیوں اور نکات سے واقف ہو۔ اور اس سے
کوئی مخفی سے مخفی شَے پوشیدہ نہ ہو۔ اور اسکی حکومت میں جتنے ذرات
ہوتے ہیں یا وہ سکون حاصل کرتے ہیں اسے اس کا علم ہو اور کوئی خشک و
تر اس کے علم سے باہر نہ ہو۔ بالفاظِ دیگر خبیر علیم کے معنٰی میں ہے لیکن علیم
نام ہیں کہ وہ ظاہر شے کا علم ہو یا باطن کا اور خبیر باطن کا علم رکھنے والے
کو بولتے ہیں۔

بندہ کو چاہیئے کہ اپنے عالم یعنی دل و جان سے باخبر رہے۔ اور ان
برائیوں سے بچنے کی سعی کرے جو اس کے دل میں مخفی ہیں۔ یعنی فسق و فجور
خیانت، بد دیانتی، حسد و کینہ، حرص و بخل، بغض و عداوت، مکر و فریب
وغیرہ۔ اور دل کی بیہودہ اور ناجائز خواہش پر عمل پیرا نہ ہو۔ کیونکہ ان عیوب
سے دوسرا واقف نہیں، وہ خود ہی جانتا اور سمجھتا ہے۔ اور جب وہ دل کی
بیماریوں سے واقف ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا علاج اور
تدارک کرے۔ کیونکہ یہ امراض روح کے لئے اتنے ہی مہلک ہیں جتنا کہ زہر۔

وظائف

اس اسم کو سات روز تک بکثرت پڑھنے سے اس پر اسرارِ مخفیہ ظاہر
ہونے لگیں گے۔ اور اگر کسی موذی کے پنجے میں گرفتار ہو اس سے نجات
حاصل ہو۔

الحلیم

حلیم وہ ذات ہے جو غصہ و غضب میں قابو سے باہر نہ ہوتی ہو۔ اور قدرتِ انتقام کے باوجود انتقام میں جلدی نہ کرتی ہو۔ یعنی گنہگار کو اس کے مجرم ہونے کے باوجود اس کی سزا سے درگذر کرتی ہو۔ اور گناہوں کے مواخذہ میں اسے نہ پکڑتی ہو۔

یعنی حلیم وہ ذات ہے کہ بربلا اپنے بندوں کو اپنے احکام کی نافرمانی کرتے دیکھتی ہے پھر بھی اسے نہ غصہ آتا ہے اور نہ غضب۔ اور نہ قدرت کے باوجود فوری طور پر انتقام لیتا ہے۔ یہ اس کی ایک رحمت کاملہ ہے۔ ورنہ اگر وہ ذاتِ اقدس ہمارے گناہوں پر مواخذہ کرنے لگے تو روئے زمین پر کوئی مخلوق باقی نہ رہے۔

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ — اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے ظلم کے بسبب
بِظُلْمِہِمْ مَّا تَرَکَ عَلَیْہَا مِنْ — دارو گیر فرماتا تو زمین پر کوئی چلنے والی چیز نہ چھوڑتا
دَآبَّۃٍ وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُہُمْ اِلٰی — لیکن اللہ تعالیٰ تو ایک مدت معینہ تک
اَجَلٍ مُّسَمًّی (النحل) — ڈھیل دیتا رہتا ہے۔

اور اس وقتِ معین کے لئے یہ بھی فرما دیا گیا۔

اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ غَضَبِیْ — یقیناً میری رحمت میرے غضب سے وسیع ہے

خدا تعالیٰ کی اس صفتِ حلم کی جس کا فارسی میں بردباری سے ترجمہ کیا جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حد بیان فرمائی ہے:۔

لَیْسَ اَحَدٌ اَوْ لَیْسَ شَیْءٌ اَصْبَرَ — اس سے زیادہ اللہ کے لئے صبر کی کیا شے
عَلٰی اَذًی سَمِعَہٗ مِنَ اللّٰہِ اِنَّہُمْ — ہوگی کہ لوگ اس کے لئے اولاد ٹھہرائیں اور
لَیَدْعُوْنَ لَہٗ وَلَدًا وَاِنَّہٗ لَیُعَا — پھر بھی وہ انہیں معاف کرے اور رزق
فِیْہِمْ وَیَرْزُقُہُمْ — دیتا رہے۔

بندہ کو چاہئے کہ دوسرے کی غلطیوں سے درگذر کرے اور بجائے انتقام کے اسکے ساتھ نیک سلوک کرے۔ تاکہ اس میں بھی صفتِ حلم پیدا ہو۔ ایک صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ میں اپنے غلام کی غلطیاں کتنی بار معاف کروں۔ ارشاد فرمایا، دن میں ستر بار۔

ایک شاعر نے صحابہ کرام کی صفت بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

یَجْزُوْنَ مِنْ ظُلْمِ اَھْلِ الظُّلْمِ مَغْفِرَۃً — وَمِنْ اِسَاءَۃِ اَھْلِ السُّوْءِ اِحْسَانًا
یہ لوگ ظالموں کو ظلم کے بدلے میں معاف کرتے ہیں — اور جو ان سے برائی کرتا ہے اس سے احسان کرتے ہیں
کَاَنَّ رَبَّکَ لَمْ یَخْلُقْ لِخَشْیَتِہٖ — سِوَاھُمْ مِنْ جَمِیْعِ النَّاسِ اِنْسَانًا
گویا کہ خدا تعالیٰ اپنے خوف کے لئے لوگوں — میں سے کوئی انسان اس کے علاوہ پیدا ہی نہیں کیا

وظائف

جو شخص اس اسم کو لکھ کر پانی سے دھوئے اور وہ پانی اپنے اوزاروں پر ملے تو اس کی صنعت و حرفت میں برکت ہو۔ اگر وہ پانی کشتی پر ملا جائے تو غرق سے محفوظ رہے۔ اور جانور پر ملا جائے تو ہر آفت سے امن میں رہے۔

اگر کوئی امیر آدمی اس کی بکثرت تلاوت کرے تو اسکا عزو وقار برقرار رہے۔

اَلْعَظِیْمُ

جو اپنی عظمت و کبریائی میں اتنا بلند رتبہ رکھتا ہو جس کا عقل تصور بھی نہ کر سکے۔ اور نگاہ اس کی حد کا احاطہ نہ کر سکے۔ اور جو اپنے رتبہ و قدر میں اتنا بلند ہو کہ وہ تمام مددگاروں سے مستغنی ہو۔ اور زمان و مکان سے پاک ہو۔ اور اس عظمت کا بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی مالک نہیں۔ اسی لئے حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا:۔

اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَۃُ	کبریائی میری چادر اور عظمت میرا تہ بند ہے جو ان
اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ قَصَمْتُہٗ	دونوں کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑے گا میں اس
وَلَا اُبَالِیْ	کے ٹکڑے ٹکڑے کر دونگا اور اسکی پرواہ بھی نہ کروں گا

اسی باعث اللہ تعالیٰ بندے کے لئے کبر کو پسند نہیں فرماتا۔ بلکہ اس اسم کے ذریعہ یہ حکم صادر فرماتا ہے کہ جب عظمت و کبریائی میرے لئے خاص ہے تو بندے کو اس کے برعکس تذلل و خاکساری اختیار کرنی چاہئے عظمت کی بالتفصیل تشریح اسم المتکبر میں گذر چکی۔ وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

وظائف

اس اسم کے بارہ بار پڑھنے سے ہر آفت سے امن حاصل ہو۔ اور جو شخص اس کا بکثرت ورد کرے گا اسے عزت نصیب ہو گی اور ہر مرض سے شفا پائے گا۔

اَلْغَفُوْرُ

جو بے انتہا مغفرت کا مالک ہو اور بے انتہا پردہ پوشی فرماتا ہو۔ یہ اسم غفار کے معنیٰ میں ہے لیکن اس اسم میں غفار سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ یعنی غفار کے معنیٰ یہ ہیں جو بہت مغفرت کرتا ہو۔ لیکن وہ ایک بار ہو اور غفور جو بار بار مغفرت کرتا ہو۔ اور اس کی مغفرت اتنے اعلیٰ درجہ پر ہو کہ اس مغفرت کے بعد اس کا کوئی درجہ ہی نہ ہو۔ غفار کا تعلق بندے کے گناہوں کی زیادتی سے ہے اور غفور کا تعلق اسکے بار بار کرنے سے۔ باقی تشریح اسم غفار میں ملاحظہ کر لی جائے۔

بندہ کو چاہئے کہ دوسرے کی غلطیوں سے درگذر کرے اور خدا تعالیٰ سے استغفار میں منہمک رہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مجلس میں سو سو بار استغفار پڑھتے جب آدمی ان ہر دو امور کو انجام دیتا ہے، تو خدا تعالیٰ بھی اسے مغفرت سے نوازتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا	اور چاہئے کہ لوگ معاف کریں اور درگذر سے
تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ	کام لیں کیا تم اس امر کو محبوب نہیں رکھتے
لَکُمْ (النور)	ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔
وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ	اور اللہ سے مغفرت طلب کرو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (مزمل)	مغفرت فرمانے والے اور رحم فرمانے والے ہیں۔

وظائف

اگر اسے لکھ کر باندھا جائے تو انشاء اللہ بخار دور ہوگا۔

اگر سید الاستغفار لکھ کر دھو کر پیا جائے تو سکرات الموت آسان ہو۔ اور اگر کسی مرض کی بنا پر زبان بند ہوگئی ہو تو زبان کھل جائے۔ اور جو شخص سید الاستغفار کو صبح و شام تین بار پڑھے تو حدیث میں آتا ہے کہ اگر اسی دن مرے گا تو جنت میں داخل ہوگا۔

اور اگر کوئی شخص استغفار کی کثرت کرے تو اس کی تمام تکلیفیں اور غم دور ہوں اور مال و اولاد میں برکت ہو۔ تجارت میں ترقی ہو۔ اگر باغ میں اس کا پانی ڈالا جائے تو پھل خوب آئے اور قحط کے زمانہ میں اگر اس کی کثرت کی جائے تو قحط دور ہو۔ سید الاستغفار یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ (بخاری)

اے میرے مولا تو ہی میرا رب ہے تیرے علاوہ میرا کوئی معبود نہیں۔ تو نے مجھے پیدا فرمایا میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے وعدہ و عہد پر قائم ہوں جہاں تک مجھ سے ممکن ہوتا ہے۔ میں تیرے ذریعہ ان برائیوں سے پناہ مانگتا ہوں جو میں نے کی ہیں میں تیری جانب تیری ان نعمتوں کے ساتھ جھکتا ہوں جو تو نے مجھ پر فرمائیں اور اپنے گناہوں کے ساتھ جھکتا ہوں تاکہ آپ میری مغفرت فرمائیں کیونکہ آپ کے علاوہ کوئی گناہوں کی مغفرت نہیں کرتا

اَلشَّكُوْرُ

وہ ذات جو تھوڑے سے عمل پر بے پناہ اجر عطا کرتی ہے۔ اور تھوڑی سی طاعت پر بے انتہا ثنا کرتی ہے۔

بندہ کے لئے شکر یہ ہے کہ انعام و احسان سے اس کا دل خوش ہوتا ہو اور اپنی زبان و دل سے دینے والے کی ثناء بیان کرے اور حتی الامکان اس کا حکم بجا لائے اور ہمہ وقت اپنی زبان اور اپنے اعضاء سے شکر خداوندی میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (بقرہ) اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

اور اس شکر و ثنا کا نتیجہ بھی ظاہر ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ (ابراہیم)

اگر تم شکر کروگے تو میں خوب زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اور چونکہ شکر کے مختلف طریقے ہوتے ہیں کبھی شکر زبان سے کیا جاتا ہے اور کبھی اس احسان کا بدلہ خدمت سے ادا کیا جاتا ہے اور کبھی مال کے ذریعہ تو جیسے یہ طریقے بندوں کے ساتھ رائج ہیں بعینہ اسی طرح خدا کا شکر زبان سے الحمد للہ کہہ کر ادا کیا جاتا ہے۔ اور خدا کا مال کے ذریعہ شکر یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے اور اس کے بندوں کی مدد کرے۔ اور اعضاء سے شکر یہ ہے کہ اعضاء کو خدا کی طاعت میں مصروف رکھے۔ اور انہیں گناہوں

میں مشغول نہ ہونے دے۔ اور دل کا شکریہ ہے کہ اپنے دل کو حسد و
کینہ وغیرہ اور روحانی بیماریوں سے محفوظ رکھے۔ اور چونکہ تمام مخلوق کو اللہ سے
ایک گونہ نسبت ہے یعنی وہ اسکی مخلوق ہے تو بندہ پر ان کا بھی شکر کرنا واجب ہے۔
اسی لئے حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ (ترمذی) — جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے اللہ کا بھی شکر نہ کیا۔

وظائف

جس شخص کو تنگئ معاش یا کوئی غم لاحق ہو تو اس اسم کو اکتالیس بار پڑھا
کرے۔ یا آنکھ میں تاریکی چھا جائے تو اس اسم کو اکتالیس بار پانی پر دم کر کے
آنکھوں پر ملے۔

العلی

جو رتبہ میں اتنا بلند ہو جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔ اور کوئی شے ایسی نہیں
ہے جو اس ذاتِ کبریا کے مقابلہ میں پست نہ ہو۔ اور جو تمام شریکوں
سے بلند ہو۔ یعنی جو مشرکین نے اس کے لئے شریک تجویز کر رکھے ہیں ان
سے بلند ہو

علی علو سے مشتق ہے جس کے معنٰی بلند ہونے کے آئے ہیں۔ اور یہ
بلندی کبھی اجسام میں ہوتی ہے جیسے آسمان زمین سے بلند ہے اور کبھی فضیلت
و مدارج کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ تو جتنے بھی فضیلت کے درجے ہیں وہ ان

سب سے بالاتر ہے۔ بلکہ اس کی جانب درجہ کی نسبت بھی جائز نہیں۔ اس
لئے کہ عقلی طور پر جتنے درجات ممکن ہیں ان میں سب سے بلند درجہ انبیاء
کرام اور فرشتوں کا ہے اور خدا تعالیٰ کے علوِ مرتبت کی کوئی انتہا نہیں۔ اس
کا عقل سے ادراک بھی ممکن نہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

انسان کے لئے اس اسم سے یہ اشارہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ذلیل اور
اوچھی عادات چھوڑ کر اخلاق حسنہ اور نیک عادات اختیار کرے۔ چھوٹی
چھوٹی باتوں پر نظر نہ کرے۔ اپنی طبیعت میں علوِ ہمت اور حوصلہ پیدا
کرے۔ اس لئے کہ سستی اور کم حوصلگی سے دین کا بھی نقصان ہے۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

عُلُوُّ الْھِمَّۃِ مِنَ الْاِیْمَانِ — بلندی ہمت ایمان کا جزو ہے۔

اور اسی باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سستی سے پناہ مانگتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ (نسائی) — اے میرے مولا میں تیرے ذریعہ سستی سے پناہ مانگتا ہوں۔

اور کم ہمتی اور سستی کی بنا پر آدمی نہ جہاد کر سکتا ہے نہ فرائض اپنے
وقت پر انجام دے سکتا ہے اور نہ کسی بڑے کے سامنے اظہارِ حق کر سکتا ہے۔

وظائف

اگر اس اسم کو لکھ کر بچے کے باندھ دیا جائے تو جلد جوان ہو۔ اگر مسافر اپنے
پاس رکھے تو جلد اپنے عزیزوں سے ملے۔ اگر محتاج اپنے پاس رکھے تو غنی ہو جائے۔

الکبیرُ

وہ ذات ہر شے سے بڑی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی
اور ہر شے سے بے نیاز و بے پرواہ ہے اور اتنا بڑا عظیم کہ انسانی حواس اور
عقل و فہم سے بالاتر ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کبیر وہ ہی جو عظمت و
قدر کا مالک ہو۔ اور کبریائی سے مراد اپنی ذات و صفات میں کامل ہونا ہے
پھر کمال کی دو قسمیں ہیں۔

کمال کی اول قسم تو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔ اور اس
لحاظ سے تمام موجودات ناقص ہیں۔ نہ وہ ہمیشہ سے ہیں نہ ہمیشہ رہیں گی۔
اسی باعث جب انسان کی عمر زیادہ طویل ہوتی ہے تو اسے کبیر کہا جاتا ہے۔
حدیث میں آتا ہے۔

مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا — جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے۔ اور ہمارے
وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا — بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم سے نہیں ہے
فَلَیْسَ مِنَّا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ وہ اپنے وجود میں اتنا کامل ہو کہ دوسرے اپنے وجود
میں اس کے محتاج ہوں اور ہر شے کا وجود اسی کی ذات سے وابستہ ہو۔ اور
چونکہ تمام اشیاء کا وجود ذاتِ خداوندی سے وابستہ ہے اس لئے وہ دونوں معانی
کے اعتبار سے کبیر ہے۔

اور انسانوں میں کبیر وہ شخص ہے جس میں تمام صفاتِ کمال جمع ہوں
حتّٰی کہ جو انسان بھی اس کی صحبت میں بیٹھتا ہو اس سے فیض حاصل
کرتا ہو۔ اور کمال انسانی اس کے عقل و فہم، علم و اخلاق اور زہد و تقویٰ
سے سمجھا جاتا ہو۔ تو بندوں میں کبیر وہ انسان ہے جو عالم، متقی و پرہیزگار
اور لوگوں کی اصلاح میں کوشاں رہتا ہو۔ اور ہر ایک اس کے علم سے
مستفید ہوتا ہو۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی عظمتِ شان
کو پہچان لے گا وہ تذلل و عاجزی اور فروتنی و خاکساری اختیار کرے گا
اور علماء و صلحاء کی عزت کرے گا۔

وظائف

جو شخص اس اسم کی کثرت کرے گا اس پر علوم و معرفت کے دروازے
کھل جائیں گے۔

اگر کوئی شخص عہدہ سے معزول ہو گیا تو سات روزے رکھے اور سات
روز تک ایک ہزار بار اس اسم کی تلاوت کرے انشاء اللہ وہ دوبارہ اپنے
عہدہ پر فائز ہو جائے گا۔

اگر کھانے کی چیز پر پڑھ کر میاں بیوی کو کھلایا جائے تو باہم الفت پیدا ہو

اَلْحَفِيْظُ

حفیظ وہ ذات ہے جو تمام اشیاء کی حفاظت کرتی ہو۔ یعنی تمام چیزوں کو زوال اور تباہی و بربادی سے محفوظ رکھنے والا۔ اور بندوں کے اعمال کی حفاظت کرنے والا۔ تاکہ ان اعمال کے بدلہ ان پر انعام و اکرام فرمائے۔ اور کبھی حفیظ بمعنٰی محفوظ کے بھی آتا ہے یعنی جس چیز کی حفاظت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ (ق) اور ہمارے پاس محفوظ کتاب (اعمال نامہ) ہے۔

لیکن جب یہ لفظ خدا تعالیٰ کے لئے استعمال ہو یا اکیلا آئے تو خدا کا اسم ہوتا ہے اور اول معنٰی مراد ہوتے ہیں اور جب کسی اور شے کی صفت ہو تو محفوظ کے معنٰی دیتا ہے جیساکہ اس آیت میں کہ یہاں لوح محفوظ مراد ہے۔

اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اپنے دین اپنے اعضاء اور قلب کی حُبِّ دنیا، شہواتِ نفسانیہ اور روحانی بیماریوں سے حفاظت کرے اور اسے شیطان کے دھوکا میں نہ آنے دے۔ کیونکہ ہر انسان دوزخ کے کنارے پر کھڑا ہوا ہے۔ ذراسی بدعملی اسے دوزخ میں دھکیلنے کے لئے کافی ہے۔ اور یہ تمام چیزیں اسے دوزخ میں دھکیلنے والی ہیں۔ اب چاہے انسان اپنے آپ کو یہ اعمال بد ترک کر کے دوزخ سے بچالے اور چاہے اس میں کود جائے۔ اور کوئی بے وقوف سے بے وقوف بھی ایک گڑھے

گرنے کو پسند نہیں کرتا۔ پھر آخر اتنی بڑی آگ اور اتنی بڑی سزا کو کیونکر گوارا کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

وظائف

اگر کوئی شخص اس اسم کی کثرت سے تلاوت کریگا یا لکھ کر اپنے پاس رکھے گا وہ خوف سے امن میں رہے گا۔ چاہے درندوں کے درمیان کیوں نہ سوتا ہو۔

اَلْمُقِيْتُ

وہ وہ ذات ہے جو تمام اقسام کی روزیاں پیدا فرماتا ہے۔ چاہے وہ روزی بدن کے لئے مفید ہو جیساکہ تمام رزق ہیں یا روح کے لئے مفید ہو یعنی ہدایت و رشد، زہد و تقویٰ اور علم و اخلاق وغیرہ۔ وہ ان تمام روزیوں کا پیدا فرمانے والا اور تمام موجودات کو دونوں قسم کی روزیاں عطا فرمانے والا۔ پس انسانوں اور تمام حیوانات کے اجسام کی نشو و نما کے لئے سینکڑوں قسم کے رزق مہیا فرمائے۔ اور روح کی نشو و نما کے لئے علوم و معارف تقسیم فرمائے۔ اور فرشتوں کے لئے اطاعت تقسیم کی۔ کسی کو دونوں قسم کا رزق عطا فرمایا اور کسی کو صرف ایک قسم کا۔

اس لحاظ سے مقیت رزاق کے معنٰی میں ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ رزق عام ہے چاہے وہ روزی ہو یا غیر روزی۔ لیکن قُوت صرف روزی کے

لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اور کبھی مقیت بمعنیٰ قادر اور عالم بھی بولا جاتا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِيْتًا (النساء) — اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادرِ مطلق ہے۔ یعنی ہر شے اس کی قدرت اور علم کی جانب رجوع کرنے والی ہے۔ اور چونکہ یہ اسم قادر اور عالم دونوں معنی کو شامل ہے۔ اسی لئے اس اسم کو اخیر میں لایا جاتا ہے تاکہ ہر دو معنیٰ پر دلالت کرے۔

بندہ کا اس سے نصیب یہ ہے کہ اپنی تمام حاجتیں بجز خدا تعالیٰ کے کسی سے طلب نہ کرے۔ کیونکہ تمام خزانوں کی چابیاں اسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔ حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔

یَا مُوْسٰى اسْأَلْنِیْ كُلَّ شَیْءٍ حَتّٰى شِرَاكَ نَعْلِكَ وَمِلْحَ قِدْرِكَ (ترمذی) — اے موسیٰ تو مجھ سے ہر چیز کا سوال کر حتیٰ کہ اپنے جوتے کے تسمے اور ہانڈی کے لئے نمک کا بھی۔

وظائف

اگر روزہ دار اسے مٹی پر لکھ کر یا اس پر پڑھ کر اور اسے تر کر کے سونگھے تو قوت اور غذائیت حاصل ہو۔

اگر ایک کوزہ پر اس اسم کو لکھ کر سفر میں ساتھ رکھے اور سات بار پانی پر پڑھ کر اسے پیا کرے تو وحشتِ سفر سے مامون ہو۔

الحسیب

حسیب کافی کے معنیٰ میں آتا ہے۔ یعنی کفایت کرنے والا۔ اور وہ وہ ذات ہے جو قیامت کے روز تمام مخلوق کا حساب لے گی۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ حسیب حسب سے بنا ہے جس کے معنیٰ سرداری اور شرف و کمال کے آتے ہیں۔ یعنی تمام موجودات کا سردار اور سب سے اشرف و اکمل۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ حسیب کے معنیٰ کفایت کرنے والے کے ہیں۔ کیونکہ بندوں کو وہ چیزیں عطا کرتا ہے جو انہیں دنیا و آخرت میں کفایت کر سکیں۔ بعض علماء نے یہ معنیٰ بھی بیان فرمائے ہیں کہ حسیب کے معنیٰ حساب کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ بندوں کے اعمال کا حساب لے گا۔ کفار کو جہنم میں اور مؤمنین کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ اس لئے اس نے اپنا نام حسیب رکھا ہے۔ اور بعض علماء نے اس حساب میں ایک شرط یہ بھی لگائی ہے کہ وقتِ واحد میں تمام مخلوق کا حساب لینے والا۔ اور اس صفت کے ساتھ بجز خدا تعالیٰ کے کوئی متصف نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت قرآن پاک میں بیان فرمائی ہے:

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ (الانعام) — اور وہ تمام حساب لینے والوں میں سب سے جلد حساب لینے والا ہے۔

بندہ کا اس اسم سے نصیب یہ ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے کہ اس نے آج کون سے نیک اعمال انجام دیئے ہیں اور کون سے بد۔ اور اعمالِ بد ترک کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ نے ان امور کا حساب

لیا تو عذاب سے چھٹکارا مشکل ہے۔ حدیث میں آتا ہے:۔

مَنْ نُوْقِشَ عُذِّبَ (نسائی) جس سے گناہ کی وجہ پوچھ لی گئی وہ ضرور عذاب دیا جائیگا

اور ہمہ وقت محاسبہ خداوندی سے خائف رہے اور اسکی رحمت کا امیدوار رہے۔

وظائف

جسے کسی شے کا خوف ہو وہ صبح سورج نکلنے سے قبل اور مغرب کے بعد ستائیس بار اس اسم کو پڑھے۔ اور یہ عمل جمعرات سے شروع کرے۔ انشاء اللہ ایک ہفتہ کے اندر اندر وہ خوف جاتا رہے گا۔

جسے کوئی غم یا فکر یا مصیبت واقع ہو وہ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ کی کثرت کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تمام دنیوی و اخروی پریشانیاں دور فرمائیگا۔ اور اس آیت کی یہ تاثیر اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ	اور کہنے لگے کہ ہمیں خدا تعالیٰ کافی ہے۔ وہی
الْوَکِیْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَۃٍ مِّنَ	اچھا کارساز ہے۔ پس یہ لوگ اللہ کی نعمت اور
اللّٰہِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْہُمْ سُوْٓءٌ	فضل کے ساتھ بھرے ہوئے واپس آئے اور
وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ	انہیں کوئی رنج نہ پہنچا اور انہوں نے رضامندی
ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ۝ اِنَّمَا	مولیٰ کی اتباع کی اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا
ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَہٗ	ہے۔ تحقیق تمہیں شیطان اپنے دوستوں سے
فَلَا تَخَافُوْہُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ	ڈراتا ہے پس تم ان سے نہ ڈرو۔ اور اگر تم مومن ہو
کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (آل عمران)	تو مجھی سے ڈرو۔

جو شخص مظلوم ہو اور ظالم سے خائف ہو وہ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ کی کثرت کرے۔ اللہ تعالیٰ خود اس ظالم سے انتقام لے لیں گے۔ اور اگر جنگ کے وقت ان ہر دو آیات کی تلاوت کرے گا اللہ تعالیٰ دشمنوں پر غالب فرمائیں گے۔

جسے دشمن یا چور وغیرہ سے خطرہ ہو تو آٹھ روز تک صبح و شام اس اسم کی تلاوت کرے حسبی اللہ الحسیب اور پنجشنبہ کے روز شروع کرے اللہ تعالیٰ اس کو ان چیزوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

اَلْجَلِیْلُ

جلیل وہ ذات ہے جس کی شان بہت بلند و ارفع ہو۔ اور جس کا حکم تمام مخلوق پر غالب ہو کہ کوئی اس کا مقابلہ نہ کرسکے۔ اور کوئی اس کے حکم پر غالب نہ ہوسکے۔ اور ذات و صفات خداوندی اور افعال میں کوئی اس کا ثانی اور ہمسر نہ ہو۔ اور عظمت و جلال کی تمام صفات اس میں پائی جاتی ہوں۔ اور صفات عظمت و جلال سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ وہ تمام موجودات سے بے نیاز، شہنشاہ مطلق ہر عیب اور نقص سے پاک اور تمام موجودات سے زیادہ علم و قدرت کا مالک ہو۔ اور وہ تمام اوصاف جو اسمائے حسنیٰ میں مذکور ہوئے اس میں کامل طور پر پائے جاتے ہوں۔ اور یہ تمام صفات مجموعی طور پر بجز ذات خداوندی کے کسی میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ تمام عالم میں جو بھی کمال و خوبصورتی اور حسن و جمال پایا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات کا

ایک نور ہے کہ نورِ خداوندی کے اثر سے وہ چیز جلوہ گر ہو رہی ہے۔ یعنی کوئی
شے بھی جلوۂ خداوندی سے خالی نظر نہیں آتی۔ وہ شے خود بخود جلوہ فرما
نہیں ہے۔ نہ اس کا یہ جلوہ ذاتی ہے بلکہ وہ ایک جلوۂ خداوندی کا پرتو ہے
اور اسی کے جلوہ سے اس میں حسن و جمال پیدا ہو گیا ہے۔ اسی لحاظ سے
اللہ تعالیٰ کو جمیل بھی کہا جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ (ترمذی)   اللہ جمیل ہے۔ حسن و جمال کو پسند فرماتا ہے۔

اور جب تمام حسن و جمال اسی کے جلوہ سے پیدا ہوئے۔ اور قاعدہ
ہے کہ ہر حسین و جمیل شے محبوب ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ بدرجۂ اولیٰ
محبوب ہوا۔ اور اسی باعث صوفیائے کرام نے عشق کی دو قسمیں کی ہیں
عشق مجازی اور عشق حقیقی۔ اور عشق حقیقی سے مراد ان کے نزدیک عشقِ
خداوندی ہوتا ہے۔ اور خدا کے علاوہ تمام دنیا کا عشق مجازی ہے۔ ع

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود

لغوی معنی کے لحاظ سے جلیل، کبیر اور عظیم قریب المعنیٰ ہیں۔ اور ان
میں فرقِ مراتب یہ ہے کہ کبیر وہ ہے جو اپنی ذات میں کامل ہو اور جلیل وہ ہے
جو صفات میں کامل ہو اور عظیم وہ ہے جو ذات و صفات دونوں میں کامل ہو۔

وظائف

جو شخص مشک و زعفران سے لکھ کر اپنے پاس رکھے گا یا اس کی بکثرت تلاوت
کریگا اللہ تعالیٰ مخلوق کے دلوں میں اس کی ہیبت پیدا فرمائیں گے۔ اور اسکی
عزت قدر میں اضافہ ہوگا۔

الکریم

بغیر سوال اور طلب کے بے انتہا عطا کرنے والا۔ کریم اور سخی میں یہی فرق
ہے کہ سخی سوال کے بعد عطا کرتا ہے اور کریم بغیر سوال اور طلب کے عطا کرتا ہے
اسی لئے خدا تعالیٰ کو کریم کہا جاتا ہے، سخی نہیں کہا جاتا۔

بعض علما فرماتے ہیں کریم وہ ذات ہے کہ جب کوئی غلطی کرے تو اس
سے درگذر کرے، جب وعدہ کرے تو پورا کرے۔ اور جب کسی کو عطا کرے تو امید
سے زیادہ دے۔ اور اسکی پرواہ بھی نہ کرے کہ کتنا دیا ہے اور کسے دیا ہے۔ اور اس
کے علاوہ اگر کوئی اور سے حاجت کا طلبگار ہو تو وہ ناراض ہوتا ہو۔ اور جب
کوئی اس کی نافرمانی کرے تو عتاب کرے۔ اور جو اس سے التجا کرے اور اسکی
درگاہ میں گڑگڑائے تو اسے ضائع نہ ہونے دے۔ اور تمام وسیلوں اور سفارشوں
سے مخلوق کو بے پروا کر دے۔ اور ہر ایک اس کا قرب حاصل کر سکتا ہو۔ ابن عطا
فرماتے ہیں جو مخلوق کو اس کی آرزوؤں سے ناامید نہ کرتا ہو۔ اور مجموعی طور پر
یہ صفات بجز ذاتِ خداوندی کے کسی میں نہیں پائی جاتیں۔

بندہ کیلئے اس اسم میں یہ درس ہے کہ اپنے تمام اعضا کو خدا کا مطیع و فرمانبردار کر
دے۔ اور اپنے چہرہ کو اسکے سامنے جھکا دے۔ اور منشاء الٰہی کے خلاف کوئی کام
نہ کرے۔ دوسروں پر مہربانی کرے اور بغیر مانگے انہیں عطا کیا کرے۔

وظائف:۔ جو شخص ہمیشہ سوتے وقت اس اسم کی کثرت کرے گا اللہ تعالیٰ علماً
اور صلحا میں اس کی عزت پیدا فرمائیں گے۔

الرَّقِیْبُ

جو تمام اشیاء کی نگہبانی کرتا اور انہیں دیکھتا رہتا ہو۔ حتیٰ کہ اسکی حفاظت سے کوئی ذرہ باہر نہ ہو۔ چاہے وہ ذرہ آسمان میں ہو یا زمین میں۔ یا تحت الثریٰ میں چھپا ہو۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ	اور غیب کی چابیاں اسی کے پاس ہیں کہ ان
لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَیَعْلَمُ مَا فِی	کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور وہ ان تمام
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ	چیزوں کو جانتا ہے جو خشکی اور تری میں ہیں۔ او
وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ	کوئی گرنے والا پتہ ایسا نہیں جسے وہ نہ جانتا ہو
فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ	اور نہ زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ اور نہ کوئی
وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ	خشک و تر شئے مگر کتاب مبین میں لکھی ہوئی ہو۔
مُّبِیْنٍ (الانعام)	

اور یہ نگہبانی اور حفاظت بھی اتنے درجہ کی ہو کہ اس سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہو کیونکہ غفلت مختلف وجوہات سے ہوتی ہے۔ یا تو سہو و نسیان یا نیند یا غائب ہونا وغیرہ اور خدا تعالیٰ کی ذات ان تمام عوارض سے پاک ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ	اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے قابل نہیں
الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ	وہ زندہ اور عالم کو سنبھالنے والا ہے۔ نہ اس کو اونگھ

وَّلَا نَوْمٌ (البقرۃ)	دبا سکتی ہے نہ نیند۔

اسی باعث بعض علماء نے کہا ہے کہ جو ذات ہر چیز کو جانتی اور ہر چیز کی حفاظت کرتی ہو اور اس سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہو اسے رقیب کہتے ہیں۔ گویا کہ رقیب، علیم و حفیظ کا مجموعہ ہے۔ اور چونکہ کراماً کاتبین ہمہ وقت بندے کے ساتھ رہتے اور اس کے اعمال لکھتے رہتے ہیں۔ اسی لئے انہیں بھی رقیب کہا جاتا ہے۔

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ	جب لینے جاتے ہیں دو لینے والے داہنے بیٹھا
الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ○	اور بائیں بیٹھا۔ نہیں بولتا ایک بات جو
مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ	نہیں اس پاس۔ ایک راہ دیکھتا تیار
رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ○ (قٓ)	

بندہ کا فرض ہے کہ وہ یہ بات جان لے کہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا اور ہمہ وقت اس کے پاس موجود ہے۔ اور یہ بات بھی سوچ لے کہ شیطان اور اس کا نفس اس کے دشمن ہیں۔ اور یہ دونوں دشمن ہمہ وقت اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ بندے کو خدا کی اطاعت سے غافل کر دیں۔ اور جب بندہ کو یہ چیز معلوم ہے تو اس کی سمجھداری اور عقلمندی اسی میں ہے کہ ان دونوں کے مکر و فریب سے بچنے کی سعی کرے اور ہر وقت اپنے نفس کی نگہبانی کرتا رہے۔ تا وہ حد سے متجاوز نہ ہو۔

وظائف

اس کے ذکر کرنے سے مال و اولاد محفوظ رہیں۔

جس شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے وہ اس اسم کی کثرت سے تلاوت کرے
انشاء اللہ وہ چیز دستیاب ہو جائے گی۔
اگر حمل کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو عورت اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر
سات بار اس اسم کو پڑھے۔ انشاء اللہ بچہ ضائع ہونے سے محفوظ رہے
اگر سفر میں کسی بچہ کی جانب سے ضائع ہونے کا خوف ہو تو اس بچے کی
گردن پر ہاتھ رکھ کر اس اسم کو سات بار پڑھے انشاء اللہ وہ بچہ سفر میں
محفوظ رہے گا۔

المُجِیبُ

دعائیں قبول فرمانے والا۔ جب بھی اس سے کوئی دعا کرے تو وہ دعا
قبول کرتا ہو۔ اور جب بھی کوئی اسے پکارے تو وہ اس کی پکار کا جواب دیتا
ہے۔ اور جو اسے پکارنے سے گریز کرے یا اس کے علاوہ کسی اور کو پکارے جیسے
آج کل کے جاہل مصیبت کے وقت حضرت علی، شیخ عبدالقادر یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہیں۔ مثلاً یا علی مدد۔ یا غوث۔ یا رسول اللہ وغیرہ
تو ایسے لوگوں سے ناراض ہوتا ہو۔ اور انہیں اپنی درگاہ سے دھتکارتا ہو
وہ خود فرماتا ہے۔

ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ — مجھی کو پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں
إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ — گا اور جو میرے پکارنے سے تکبر کرتے ہیں
عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ — عنقریب وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل

دَاخِرِينَ ○ (الزمر) — ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (ترمذی) — پکارنا عبادت کا گودا ہے۔

حضورؐ کا مقصد یہ ہے کہ جب کسی کو پکارنا اصل عبادت ہے تو بندہ
جب خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو پکارتا ہے وہ اس کی عبادت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ
کا ارشاد ہے کہ جو مجھے چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرے گا تو میں یقیناً اسے دوزخ
میں داخل کرونگا۔ اور بندہ یہ نہیں سوچتا کہ جسے وہ پکار رہا ہے وہ خود مخلوق
ہے اور خالق کی موجودگی میں مخلوق کی اطاعت کیا معنی رکھتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ — جو لوگ اللہ کے علاوہ اوروں کو پکارتے ہیں وہ
اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ — سب مل کر بھی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے اور اگر
اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ — ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس سے واپس
الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ — نہیں لے سکتے۔ مانگنے والا عقیدے کا کمزور اور
مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ○ — جس سے مانگ رہے ہیں اس میں قدرت نہیں
مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ — در اصل انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صحیح معنی میں قدر ہی نہیں کی
إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ○ اللَّهُ — یقیناً اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے یہ دوسری
يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا — بات ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں
وَمِنَ النَّاسِ ○ — سے کچھ کو رسول منتخب کرے۔ اس سے وہ قادر
(حج) — و مالک نہیں ہوتے۔

اور اجابت خداوندی یہ ہے کہ جس وقت سائل اس سے سوال کرے تو وہ

اس کے سوال کو پورا کرے جب کوئی اسے پکارے تو اس کی دعا قبول کرے اور
مضطر و پریشان کی پریشانی دور کرے بلکہ پکارنے سے قبل ہی اس پر انعام و اکرام
کرتا ہو۔ اور دعا سے قبل ہی اس پر اپنا فضل و کرم فرماتا ہو۔ کیونکہ وہ ضرورتمندوں
کی حاجتوں کو ان کے سوال سے قبل ہی جانتا ہے۔ بلکہ ازل ہی سے لوحِ محفوظ
میں ان کی حاجتیں بھی لکھی ہوئی ہیں اور ان کے حل کے اسباب بھی۔ اور حضور
نے ارشاد فرمایا کہ اگر تقدیر کو کوئی شے ٹال سکتی ہے تو وہ دعا یعنی خدا کو پکارنا
ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جب تہائی شب باقی رہ جاتی ہے تو اللہ
تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا اور مخلوق کی جانب متوجہ ہوتا اور فرماتا ہے:۔

مَنْ يَدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ	کون ہے جو مجھے پکارے میں اسے جواب دوں
لَهٗ مَنْ يَسْتَرْزِقُنِيْ اَرْزُقْ	کون ہے کہ مجھ سے رزق طلب کرے کہ میں اسے
لَهٗ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ	رزق دوں۔ کون ہے کہ مجھ سے مغفرت طلب کرے
اَغْفِرْ لَهٗ۔ (ابنِ ماجہ)	کہ میں اس کی مغفرت کروں۔

اس میں بندہ کے لئے یہ سبق ہے کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کے ہر حکم کو قبول
کرے۔ چاہے اسے خدا نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا ہو یا رک جانے کا
اور ہر امر میں اسی کو پکارے۔ اور اس کے علاوہ کسی سے حاجت طلب نہ
کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا۔

يَا مُوْسٰى اسْأَلْنِيْ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى	اے موسیٰ تو ہر چیز کا مجھ ہی سے سوال کر حتّٰی کہ اپنے جوتے کا تسمہ
شِرَاكَ نَعْلِكَ وَمِلْحَ فِيْ قِدْرِكَ	اور اپنی ہانڈی کیلئے نمک بھی مجھ ہی سے مانگ۔

اور سائل کو نہ دھتکارے بلکہ اسکے سوال کو قبول کرے۔ حدیث میں آتا ہے

سائل کا تم پر حق ہے اگرچہ مزین گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ اور اسے کچھ نہ کچھ ضرور دو
چاہے بکری کی کھری کیوں نہ ہو۔ اور کوئی دینے کے لئے شے موجود نہ ہو تو نرمی سے
اسے جواب دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے:۔

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (ضحیٰ)	اور سائل کو دانے نبی جھڑکئے نہیں۔

اور اگر کوئی تمہاری دعوت کرے تو اسے قبول کرو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

لَوْ دُعِيْتُ اِلٰى كُرَاعٍ لَاَجَبْتُ	اگر مجھے ایک کھری کی دعوت دی جائے تو میں اسے
وَلَوْ اُهْدِيَ اِلَيَّ ذِرَاعٌ	بھی قبول کروں گا۔ اور اگر مجھے ہدیہ میں ایک دست
لَقَبِلْتُ (ترمذی)	بھیجا جائے تو اسے بھی قبول کروں گا۔

دعوتوں میں حاضر ہونا اور ہدایا کا قبول کرنا اس اجابت کا انتہائی مقام ہے
کیونکہ مغرور، متکبر اور خسیس طبیعت کے انسان دعوتیں قبول نہیں کرتے۔ اور
اپنے تکبر و غرور کی بنا پر کسی غریب کی دعوت میں جانا پسند نہیں کرتے۔ اور عام
طور پر سائل کو جھڑک دیتے ہیں اور اسکی دل شکنی کی پرواہ نہیں کرتے ایسے لوگوں
کیلئے اس اسم سے کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور بندے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے
سوال کرنے سے گھبرائے نہیں۔ اور اپنی دعا کو برا نہ سمجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا:۔

اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ	تم اللہ کو اس حال میں پکارو کہ تمہیں قبولیت کا
بِالْاِجَابَةِ (ابنِ ماجہ)	یقین ہو۔

وظائف۔ جو شخص اس اسم کی کثرت کرے اسکی دعاؤں کو درجۂ قبولیت حاصل ہو۔

الواسعُ

ہر شے کا احاطہ فرمانے والا یعنی جس کا علم ہر شے کو عام ہو کہ کوئی شے اس کے علم سے باہر نہ ہو۔ یا وہ سخی کہ اس کی رحمت ہر مومن و کافر اور ہر فاسق و فاجر کو عام ہو۔ یا وہ غنی مراد ہے کہ جو تمام موجودات سے بے نیاز ہو۔ یا وہ ذات مراد ہے جس کے وجود اور ثبوت وحدانیت کی کوئی انتہا نہ ہو۔ نہ اس کی حکومت کی اور نہ اس کی ذات وصفات اور اسمار کی کوئی حد ہو۔ اور دراصل واسع ان تمام معانی کو شامل ہے۔ کیونکہ واسع وسعت سے مشتق ہے۔ جس کے معنٰی وسیع ہونے اور کشادہ ہونے کے آتے ہیں۔ اور وسعت کبھی علم کے لئے بولا جاتا ہے جب کہ علم وسیع ہو اور بے انتہا معلومات کو شامل ہو۔ اور کبھی احسان اور نعمتوں کی کشادگی کے لئے بھی بولا جاتا ہو اور چونکہ ہر لحاظ سے واسع مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ چاہے بلحاظ علم ہو اور چاہے باعتبار انعام و اکرام۔ کیونکہ اس کا علم اتنا وسیع ہے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی طرح اس کے جود و کرم کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ بلکہ جتنی بھی وسعتیں ہیں سب اسی پر منتہی ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے واسع کے لقب سے صرف اسی کی ذات متصف ہو سکتی ہے۔

یہ اسم بندے پر بھی بولا جاتا ہے۔ جب کہ اس کا علم اتنا کثیر ہو کہ دنیاوی لحاظ سے اس کی کوئی انتہا نہ ہو تو اسے واسع العلم کہا جاتا ہے۔ اسی طرح

جب وہ اخلاق میں اتنا کامل ہو کہ نہ تو فقر سے گھبراتا ہو۔ نہ اس کی طبیعت میں حسد و حرص کا مادہ ہو۔ اور تمام بداخلاقیوں اور برائیوں سے پاک ہو تو اسے واسع الاخلاق کہا جاتا ہے لیکن انسانی علم و اخلاق کی ایک نہ ایک انتہا ہے۔ چاہے ہر کس و ناکس اس انتہا سے واقف نہ ہو۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (یوسف) اور ہر علم والے پر ایک بہت جاننے والا موجود ہے

انسان کا فریضہ ہے کہ وہ اللہ کے بندوں پر اپنی رحمت کو وسیع کرے اور کسی حالت میں اخلاق کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔

وظائف

اس کی کثرت سے غنائے ظاہری و باطنی اور عزت و جاہ حاصل ہو۔

الحکیمُ

یہ اسم حکمت سے مشتق ہے جس کے معنی کمال علم اور عمدہ افعال۔ اور افضل علوم کے ذریعہ بہترین اشیار کو پہچاننا اور ہر شے کے رموز و اسرار سے واقف ہونا ہیں۔ اور جب یہ شے معلوم و متعین ہو چکی کہ علم خداوندی ہر شے کو محیط و وسیع ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ اور جب اس کا علم اتنا وسیع ہے تو ہر شے کے اسرار و رموز سے وہی واقف ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے علم کو زوال نہیں۔ اور نہ اس سے کوئی شے مخفی رہ سکتی ہے۔

جو شخص مصنوعات یا علم کی باریکیوں سے واقف ہو اسے بھی حکیم کہا جاتا

ہے۔ اسی لحاظ سے انسان کو حکیم کہتے ہیں۔ لیکن حکمتِ انسان کسی خاص فن یا خاص علم تک محدود ہوتی ہے۔ اور حکمتِ خداوندی اسکے علم کی طرح لامحدود ہے اور انسان اپنی حکمت میں خدا کا محتاج ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ اپنی حکمت میں کسی کا محتاج نہیں۔ حکمتِ انسانی زوال پذیر ہے۔ لیکن حکمتِ خداوندی کے لئے کسی وقت بھی فنا نہیں۔ اسی لئے جو شخص بہت سی اشیاء کی حکمت سے واقف ہو لیکن ذاتِ خداوند سے واقف نہ ہو اسے حکیم نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ اصل حکمت معرفتِ خداوندی ہے۔ اسی لئے انبیائے کرام کو حکیم کہا جاتا ہے:۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ يُؤْتِي	اور اللہ تعالیٰ وسعت والے اور خوب جاننے والے
الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ	ہیں جسے چاہیں حکمت عطا کریں اور جسے حکمت دی
يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ	گئی اسے ایک بہت بڑی بھلائی عطا کی گئی اور
خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ	سوائے اہل عقل کے کوئی نصیحت قبول نہیں
اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (بقرہ)	کرتا۔

اسی لئے ہم ذیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند وہ احادیث درج ذیل کرتے ہیں جو حکمت پر مبنی ہیں:۔

اَلْحِكْمَةُ مَخَافَةُ اللّٰهِ (ابن ماجہ)	حکمت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا نام ہے۔
اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا وَّاِنَّ	بعض تقریریں جادو اور بعض اشعار حکمت
مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً (ترمذی)	ہوتے ہیں۔
اَلتَّقْوٰى مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ	تقویٰ وہ شے ہے جو دل میں کھٹکے۔

(بخاری)

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ	آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی باتوں
مَا لَا يَعْنِيْهِ اِلٰى مَا يَعْنِيْهِ (نسائی)	کو چھوڑ کر بامعنی باتیں اختیار کرے۔
اَلْقَنَاعَةُ مَالٌ لَّا يَنْفَدُ	قناعت ایسا مال ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔
(شرح اسماء الحسنیٰ)	
اَلْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ (ابن ماجہ)	مالداری دل کے غنی ہونے کا نام ہے۔
اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ	صبر آدھا ایمان اور یقین پورا ایمان ہے۔
وَالْيَقِيْنُ الْاِيْمَانُ كُلُّهٗ (ابن ماجہ)	
اَلْحَيَآءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ (بخاری)	حیا ایمان کی شاخ ہے۔
كُنْ وَرِعًا تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ	گناہوں سے احتراز کر تو سب سے زیادہ عابد
وَكُنْ قَنِعًا تَكُنْ اَشْكَرَ	بن جائیگا اور قناعت اختیار کر سب سے زیادہ
النَّاسِ (مسلم)	شکر گذار ہو جائے گا۔
اَلْبَلَآءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ (ترمذی)	مصیبت بولنے کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔
مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ	اگر تھوڑی اور کفایت کرنے والی روزی ہو تو وہ
وَاَلْهٰى (اسماء الحسنیٰ)	اس زیادہ سے بہتر ہے جو لہو و لعب میں مبتلا کرے
اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ	عقلمند وہ ہے جو نفس کو دھکے دے اور بعد الموت
وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ	کے لئے عمل کرے۔ اور بیہودہ ہے جو خواہشات
وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ	کی اتباع کرے اور اللہ سے امیدیں لگائے
هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِيَّ	

(ترمذی)

تمام مخلوقِ خداوندی میں خدا تعالیٰ کے بعد سب سے بڑے حکیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جیسا کہ آپ سب سے افضل اور سب سے زیادہ عالم ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس امر کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ حکمت بھی عطا کی ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان میں انہیں
اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ	میں سے ایک رسول بھیجا کہ وہ ان پر آیاتِ خداوندی
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ	تلاوت کرتا۔ انہیں پاک صاف کرتا اور انہیں
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا۔

(آلِ عمران)

انسان کا فریضہ ہے کہ وہ حکمتِ خداوندی کو اختیار کرے یعنی اس کے احکام پر عمل پیرا ہو۔ اور منشاءِ الٰہی کے خلاف کوئی کام انجام نہ دے۔ اس لئے کہ ہر عقلمند آدمی حال پر مستقبل کو ترجیح دیتا ہے اور فانی پر باقی کو۔ اور یہ دنیا فانی اور آخرت باقی رہنے والی ہے۔ اور متاعِ دنیا قلیل ہے اور متاعِ آخرت کثیر۔ تو جو شخص فانی کو باقی پر، قلیل کو کثیر پر اور حال کو مستقبل پر ترجیح دیتا ہے گویا وہ عقل سے بے بہرہ ہے۔

وظائف

جو شخص اس اسم کی کثرت سے تلاوت کریگا۔ اللہ تعالیٰ اسے مصائب سے نجات عطا فرمائے گا اور اس پر علم و حکمت کے دروازے کشادہ کر دے گا۔

الوَدُوْدُ

ودود، وُد سے مشتق ہے جس کے معنی محبت کرنے کے ہیں۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ مومنین سے محبت فرماتا اور مومنین اس سے محبت فرماتے ہیں اس لئے اسے ودود کہا جاتا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی اور ان کے اعمال سے خوش ہے یا انہیں لوگوں کی نظروں میں محبوب بناتا ہے اس لئے اسے ودود کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے
سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم)	تو ان کے لئے رحمٰن محبت پیدا فرمائے گا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ودود وہ ذات ہے جو اپنے متبع اور فرمانبردار پر خوب احسانات کرتا ہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ ودود رحمت کے قریب المعنیٰ ہے۔ اور رحمت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنا۔ اور جس کے لئے بھلائی صادر ہوتی ہے وہ محتاج اور پریشان ہوتا ہے۔ لہٰذا رحمت کے لئے ضروری ہے کہ جس پر رحم کیا جائے وہ مجبور و لاچار ہو لیکن ودود کے لئے یہ بات ضروری نہیں کہ جس پر احسان و اکرام کیا جائے وہ مجبور ہو بلکہ وہ چاہے مجبور ہو یا نہ ہو دونوں اس کے معنیٰ میں شامل ہیں۔ دوسرا فرق رحیم اور ودود میں یہ ہے کہ رحمت ہر کافر و مومن نیک و بد کو شامل ہے۔ لیکن ود (یعنی محبت و احسان) صرف مومنین کے لئے خاص ہے۔ اور چونکہ مومنین خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اس لئے محبت کو ان کے ساتھ خاص فرمایا۔

اور انسانوں میں ودود اسے کہا جاتا ہے جو اپنے نفس اور خواہشات پر دوسرے کی خواہشات کو ترجیح دے اور ان کے لئے وہی شے پسند کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جب دندانِ مبارک شہید ہوئے اور آپ کا چہرہ مبارک خون میں سرخ ہوا تب بھی آپ کی زبانِ مبارک سے ایسے بدبختوں کے لئے بھی یہ الفاظ صادر ہوئے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ — اے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما وہ
لَا يَعْلَمُوْنَ (بخاری) — جانتی نہیں۔

کفار کی اتنی بدسلوکیاں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کو ہدایت و ذکر کی تبلیغ سے مانع نہ ہو سکی۔ بلکہ تمام مومنین کو یہی حکم صادر فرمایا کہ جو تم اپنے لئے پسند کرو وہی تم اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرو۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى — تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو
يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ — سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہ شے
لِنَفْسِهٖ (بخاری) — پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔

اور یہ بھی درجاتِ عالیہ میں سے ایک معمولی مقام ہے۔ کیونکہ اعلیٰ مقام یہ ہے کہ دوسرے کی بھلائی کی خاطر اپنی جان و مال بھی قربان کر دے اور ہر حال میں انہیں اپنی ذات پر ترجیح دے۔ ایک حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی:۔

يَا عَلِيُّ اِنْ اَرَدْتَ اَنْ تَسْبِقَ — اے علی اگر تو یہ چاہتا ہے کہ مقربین سے آگے
الْمُقَرَّبِيْنَ فَصِلْ مَنْ قَطَعَكَ — بڑھ جائے۔ تو جو تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس سے

وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَاعْفُ — صلہ رحمی کر۔ جو تجھے محروم رکھے اسے عطا کر اور جو
عَمَّنْ ظَلَمَكَ (اسماء الحسنیٰ) — تجھ پر ظلم کرے اس سے درگذر کر۔

اِن خوبیوں کے علاوہ اس اسم سے یہ خوبی ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے ہرگز محبت نہ کرنی چاہئے۔ چاہے وہ اس کے رشتہ دار کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کلامِ پاک میں صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی خوبی بیان فرمائی ہے اور اس پر انہیں اپنی رضا کا تمغہ عطا فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ — تو اے نبی آپ ایسی قوم نہ پائیں گے جو اللہ اور
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ — آخرت پر ایمان رکھتی ہو اور پھر اللہ اور اس کے
حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ — رسول کے دشمنوں سے محبت کرتی ہو چاہے اس
كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ — کے باپ، دادا، بیٹے، بھائی اور اہل خاندان ہی
اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ — کیوں نہ ہوں۔ یہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اللہ
اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ — نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی اپنی روح یعنی
الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ — جبرئیل سے امداد فرمائی۔ اور انہیں ان جنتوں
مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ — میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ — گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان
فِيْهَا اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ — سے راضی ہو چکا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو چکے
وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ — ہیں۔ یہ اللہ کا لشکر ہے اور خبردار اللہ ہی کا
اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ — لشکر فلاح پانے والا ہے۔
الْمُفْلِحُوْنَ ○ (المجادلہ)

وظائف

جو شخص یومیہ اس اسم کا ہزار بار ذکر کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مشائخ اس کا ورد کرتے اور اپنے شاگردوں کو اس کے ورد کا حکم کرتے ہیں۔

اگر کھانے پر ایک ہزار بار یہ اسم پڑھ کر بیوی کے ساتھ کھانا کھائے تو بیوی کے دل میں اسکی محبت پیدا ہو اور وہ اس کی تابعدار ہو جائے۔

المَجِیدُ

مجید، ماجد کا مبالغہ ہے یعنی جو انتہائی عزت و شرف کا مالک ہو کہ اس کے بعد عزت و شرف کا کوئی مقام نہ ہو۔ جو سب سے اعلیٰ قدر، سب سے زیادہ عطا فرمانے والا اور بلحاظ ذات سب سے اشرف ہو۔ گویا کہ مجید کے معنیٰ میں جلیل وہاب اور کریم تینوں اسماء کے معنیٰ پائے جاتے ہیں اس کی کچھ تشریح اسم کریم میں گذر چکی وہاں ملاحظہ فرمائی جائے۔

بندے کا اس اسم سے نصیب یہ ہے کہ وہ ہر حال میں دوسروں پر کرم اور مہربانی کرے۔ اور ہر حال میں اخلاقِ حسنہ اختیار کرے۔

وظائف ۔ جو شخص برص میں مبتلا ہو اسے چاند کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ کو روزہ رکھے اور افطار کے بعد اس اسم کی کثرت کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا یہ مرض دُور ہو جائے گا۔ چاہے اُس کا ازالہ بلا سبب ہو یا اسباب دنیویہ یعنی علاج وغیرہ کے ساتھ۔

البَاعِثُ

باعث، بعث سے مشتق ہے جس کے معنی بھیجنے اور اٹھانے کے ہیں۔ یعنی مخلوق کی ہدایت کے لئے انبیائے کرام کو بھیجنے والا۔ اور لوگوں کو توحیدِ خداوندی پر آمادہ کرنے والا۔ اور انسانوں کو قبروں سے اٹھانے والا۔ اور موجودات کو عدم سے وجود میں لانے والا۔ اور قیامت کے روز مخلوق کو زندہ کرنے والا۔ اور اسی معنیٰ کے لحاظ سے قیامت کو یوم البعث بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (الشمس) اور جب قبریں پھٹ جائیں گی۔

اور اس اسم کے معانی کا سمجھنا بعث کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ عوام جو یہ خیال کرتے ہیں کہ موت اس زندگی کی فنا کا نام ہے اور قیامت کے روز دوبارہ وجود میں لایا جائے گا جیسے کہ ہمیں پہلی بار پیدا کیا گیا تھا لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ اس لئے کہ موت فنا کا نام نہیں بلکہ موت انتقال یعنی ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہو جانے کا نام ہے۔ اور قبر آخرت کی پہلی منزل ہے۔

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِّنْ — قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے

مَنَازِلِ الْاٰخِرَۃِ فَاِمَّا حُفْرَۃٌ مِّنَ — پھر وہ یا تو دوزخ کا ایک گڑھا ہے یا

النَّارِ اَوْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ — جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے

پھر یہ مقام تبدیل کرنے والے دو حال سے خالی نہیں یا نیک ہونگے یا بد۔ بدوں کا مقام سجین ہے یعنی تحت الثریٰ ہیں۔ اور نیک لوگوں کا مقام علیین ہے یعنی جنت ہیں۔ پھر اس میں بھی مختلف مدارج ہیں۔ سب سے بلند مقام انبیائے کرام کا ہے جن کے اجسام بھی سالم رہتے ہیں اور ان کی ارواح ان کے اجسام کے ساتھ متعلق رہتی ہیں۔ ان کے اجسام کو مٹی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اسی واسطے حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ حَیٌّ فِیْ قَبْرِہٖ (نسائی)	تحقیق اللہ کا نبی قبر میں زندہ ہوتا ہے۔
اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَاْکُلُ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ (نسائی)	تحقیق زمین انبیائے کرام کے اجسام کو نہیں کھاتی۔

اور یہ دونوں انبیائے کرام کی خصوصیات ہیں۔ اوروں کے اجسام کا سالم رہنا ضروری نہیں اور نہ ارواح کا اجسام سے کوئی تعلق ہوتا ہے۔ دوسرا درجہ شہدائے کرام کا ہے جن کی ارواح جنت کے سبز پرندوں کے پوٹوں میں ڈال دی جاتی ہیں اور وہ جنت میں جہاں دل چاہے پھرتی ہیں۔ اور اس آیت میں ان کی حیات کا یہی مقصد ہے

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ (آل عمران)	اور جو لوگ راہ خداوندی میں مارے جائیں انھیں مردہ نہ سمجھو۔ بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں۔ رزق دیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جو اپنا فضل عطا فرمایا ہے۔ اس سے خوب خوش ہیں۔

جہاں تک ارواح کا تعلق ہے تو کسی کی روح کو بھی فنا نہیں وہ مسلم ہو یا کافر۔ نیک ہو یا بد۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب تم قبرستان جاؤ تو یہ دعا پڑھو۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ (مسلم)	اے قبر والو تم پر سلامتی ہو۔

اس سے تمام مومنین کی ارواح کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور کفار کی حیات ارواح کا ثبوت واقعۂ بدر سے ثابت ہے۔ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے مقتولین کو ایک گڑھے میں ڈال کر ارشاد فرمایا:۔

اِنِّیْ وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِیْ رَبِّیْ حَقًّا فَھَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَکُمْ رَبُّکُمْ حَقًّا فَقِیْلَ لَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ تُخَاطِبُ قَوْمًا قَدْ جَیَّفُوْا قَالَ وَاللّٰہِ مَآ اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَآ اَقُوْلُ مِنْھُمْ وَلٰکِنَّھُمْ لَا یَقْدِرُوْنَ اَنْ یُّجِیْبُوْا (بخاری)	یقیناً میں نے تو اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا ہے۔ کیا تم نے بھی اسے سچ پایا ہے جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ ایسے لوگوں کو خطاب فرما رہے ہیں جو مردہ ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔

ان دونوں احادیث سے دو امور ثابت ہوتے ہیں۔ اول سماع موتیٰ یعنی مردوں کا سننا اور یہ علماء میں مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ اور ہمارا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں کہ وہ فی الواقعہ بذاتہ سنتے ہیں یا فرشتوں کی بوساطت یا قطعاً نہیں سنتے۔

دُوسری چیز ارواح کا موت کے بعد زندہ رہنا ہے۔ اور یہ ایک متفقہ مسئلہ ہے۔ لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ارواح کا مقام سجین اور علیین ہے تو قبروں میں ان کے سننے سے کیا مقصود ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سماع فرشتوں کی بوساطت ہو۔ یا ارواح کا اپنے اجسام سے ایک گونہ تعلق باقی رہتا ہو اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دوسری حدیث کی یہ تشریح بھی کی ہے کہ یہ وہ وقت تھا جب کہ منکر نکیر سوال کے لئے آتے تھے۔ اور منکر و نکیر کے سوال کے وقت جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے۔ اور حضور کو اس کا بذریعہ وحی علم ہوا۔ یا یہ حضور کی خصوصیت ہے کہ آپ کے کلام کو مردے بھی سنتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے جس میں دفنایا جاتا ہے یا وہ مقام ہے جہاں ارواح رہتی ہیں اور صحیح یہی ہے کہ قبر سے مراد ارواح کا مقام ہے۔ اور وہاں ایک مثالی قبر بنا دی جاتی ہے۔ جیسا کہ عذاب کے لئے دوسرا ایک مثالی جسم دیا جاتا ہے اور جسم کے دیئے جانے کا ثبوت بہت سی احادیث سے ثابت ہے لیکن دوسری قبر دیا جانا آیاتِ قرآنیہ سے ثابت ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا	پس وہ کہیں گے ہائے افسوس ہماری
مِنْ مَّرْقَدِنَا (یٰس)	آرام گاہوں سے ہمیں کس نے اٹھایا۔
وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (انفطار)	اور جب کہ قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔

ان ہر دو آیات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ قیامت کے روز ہر شخص اپنی آرامگاہ اور قبر سے اٹھایا جائے گا۔ حالانکہ مشاہدہ یہ ثابت کرتا ہے کہ کروڑ ہا

انسان آگ میں جلائے جاتے ہیں جیسے ہندو یا جل جاتے ہیں اور انکی کوئی قبر نہیں۔ اسی طرح جو غرق ہو کر مرتے یا انہیں درندے کھا جاتے ہیں ان کی بھی بظاہر کوئی قبر نہیں۔ اور آیاتِ قرآنیہ تمام انسانوں کو شامل ہیں۔ لازماً قبر سے مراد مقام ارواح ہے نہ یہ گڑھا اور ارواح کا ایک دوسرے سے ملاقات کرنا اور مؤمنین کی ارواح کا ایک جگہ ہنسی خوشی رہنا احادیث سے ثابت ہے۔

انسان ہمیشہ رہنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے یعنی اس کی روح کیلئے کوئی فنا نہیں۔ ہاں اس کی روح ایک مدت کے لئے جسم سے جدا ہو جاتی ہے جسے ہم موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند کو بھی موت سے تعبیر فرمایا۔ کیونکہ آپ صبح بیدار ہونے کے بعد یہ دعا پڑھتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَحْيَانَا	تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں
بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ	مرنے کے بعد زندہ فرمایا اور اسی کی جانب
النُّشُوْرُ (ترمذی)	اٹھنا ہے۔

اور یہ قرآن سے بھی ثابت ہے اور کبھی روح کو بدن کی جانب لوٹا دیا جاتا ہے۔ الغرض روح ابد الآباد تک باقی رہے گی اور قیامت کا صُور پھونکنے کے وقت اس پر ایک غشی طاری ہو گی۔ اور عقلاً بھی روح کے لئے ہرگز فنا نہ ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ روح حکمِ خداوندی کا نام ہے اور اسکے حکم کو فنا نہیں

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ	آپ فرما دیجئے روح میرے رب کا حکم ہے اور
مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل)	تم تھوڑا سا علم دیئے گئے ہو۔

تو عوام جو اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ انسانوں کو دو مرتبہ عدم سے وجود میں لایا جاتا ہے یہ صحیح نہیں۔ بلکہ وجود تو صرف ایک ہی مرتبہ ہے۔ اور آیاتِ قرآنیہ بھی اسی جانب اشارہ کرتی ہیں:۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ — پھر تم اس کے بعد یقیناً مرنے والے ہو پھر

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ — تم قیامت کے روز اٹھائے جاؤ گے۔

(المومنون)

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ — اسی مٹی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی

مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (طٰہٰ) — میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ نکالیں گے

اِن آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ دوبارہ صرف اٹھنا اور قبر سے نکلنا ہے نہ کہ دوبارہ خلقت۔ اور جن آیات سے بظاہر انشاء یعنی خلقت ثابت ہوتی ہے ان سے ظاہر بینوں کو دھوکا لگا ہے۔ مثلاً

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون) — پھر ہم دوبارہ پیدا کریں گے۔

دراصل امر یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کے بعد بھی اس میں مختلف خلقتیں ہوتی رہتی ہیں۔ پہلی خلقت جسم و روح کی پیدائش ہے۔ اس کے بعد بچپنہ، جوانی، بڑھاپا، تمیز، عقل علم و فہم وغیرہ ان کی بالترتیب خلقت ہوتی رہتی ہے۔ پھر قبر میں جانے کے بعد مثالی جسم عطا ہوتا ہے اور پھر قیامت کے روز اصل جسم پر جوانی کی حالت میں لوٹ آئیں گے۔ اسی لئے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

وَنُنْشِئَكُمْ فِيْمَا لَا تَعْلَمُوْنَ — اور ہم تمہیں بڑھاتے رہتے ہیں جسے تم نہیں جانتے

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى — اور تحقیق تم اول پیدائش کو جانتے ہو اور پھر

فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ (واقعہ) — بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

بندے پر فرض ہے کہ اپنے نفس کو مرضیٔ مولیٰ کا تابع کرے۔ اور اس کا کوئی قول و فعل حکم خداوندی کے خلاف نہ ہو۔ تاکہ تقرب خداوندی اور درجات کاملہ حاصل ہو سکیں۔

وظائف

جو شخص سوتے وقت سینہ پر ہاتھ رکھ کر سو بار اس اسم کی تلاوت کریگا اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو علم و حکمت سے منور فرمائیں گے۔

اَلشَّهِيْدُ

شہید، شہود سے مشتق ہے۔ جس کے معنی حاضر ہونا اور گواہی دینا۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے ساتھ ہر جگہ اور ہر لمحہ موجود ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحدید) — اور جہاں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

اسی لحاظ سے اسے شہید کہا جاتا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (النساء) — اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

اور چونکہ شہود اور شہادت کے معنی حاضر ہونے اور جاننے کے بھی۔ اسی لئے کبھی یہ لفظ علم کی صفت بھی واقع ہوتا ہے۔ جیسے

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (الانعام) — غیب و حاضر کو جاننے والا۔

غیب ہر پوشیدہ شے کو بولتے ہیں اور شہادت اس شے کو کہتے ہیں جو سامنے موجود ہو۔ اور خدا تعالیٰ سے کوئی بھی شے غیب نہیں۔ لفظ غیب بندوں کے لحاظ سے بولا جاتا ہے یعنی جو چیز بندہ کی نظر سے پوشیدہ ہو۔

اور جو ذات پوشیدہ اور ظاہر امور جانتی ہو اسے علیم کہتے ہیں۔ اور جو پوشیدہ امور سے واقف ہو اسے خبیر اور جو ظاہر امور سے واقف ہو اسے شہید کہتے ہیں۔ گویا علیم، خبیر اور شہید کا مجموعہ ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام مخلوقات کے اعمال کی شہادت دے گا اسی لئے اسے شہید کہا جاتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے علیم وخبیر کی شرح دیکھئے۔

اس اسم کی صفت یہ ہے کہ بندہ ہر کام کرنے سے قبل یہ سوچ لیا کرے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے وہ میرے اس فعل کو دیکھ رہا ہے لہٰذا گناہوں سے پرہیز کرے اور اعمال صالحہ اختیار کرے۔

وظائف

جو شخص اس اسم کی کثرت کرے گا اس کا دل باطل سے متنفر ہو کر حق کی جانب مائل ہوگا۔

جو شخص اولاد یا اپنی بیوی کے سر کے بال پکڑ کر ایک ہزار بار اس اسم کی تلاوت کرے اور ان پر دم کرے وہ تابع فرمان ہوں۔

اَلْحَقُّ

جس ذات کا وجود ہر طرح اور ہر لحاظ سے ثابت ہو۔ جسے ایک لمحہ کے لئے بھی زوال اور عدم نہ ہو۔ اور نہ اس میں کوئی تغیر پیدا ہو سکے۔ ہر شے کا ظہور اسی ذات سے وابستہ ہو۔ اور ہر شے اسی پر منتہی ہوتی ہو۔ اور اس کے علاوہ کوئی شے ایسی نہ ہو جو فانی نہ ہو۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن)

ہر شے فنا ہو جائے گی اور آپ کا عزت واکرام والا خدا باقی رہ جائے گا۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لبید بن عامر رضی اللہ عنہ کے ایک شعر کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آج تک شعرائے عرب نے جتنے اشعار کہے ہیں ان میں سب سے زیادہ سچا اور صحیح لبید کا شعر ہے۔ ع

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ

خبردار اللہ کے علاوہ ہر شے باطل ہے۔

اور کبھی حق باطل کے مقابلہ پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی جو شے صحیح اور درست ہو۔

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ

اور اللہ ارادہ رکھتا ہے کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کو ثابت فرمائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق حق اور باطل باطل ہو جائے

لَوْکَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ ○ (الانفال) چاہے مجرم اسے ناپسند کریں۔

کیونکہ ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ دن کے وجود کا علم اسی وقت ممکن ہے جب کہ رات کے وجود سے واقفیت ہو۔ اسی طرح حق اسی وقت پہچانا جاسکتا ہے جب کہ انسان باطل سے واقف ہو۔ آدمی صدق کو اسی وقت پہچان سکتا ہے جب کہ اسے کذب و افترا کا علم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صدق کے ساتھ کذب کا، حق کے ساتھ باطل کا اور نیکی کے ساتھ بدی کا ذکر فرماتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کوئی شے ایسی نہیں جو ہر لحاظ سے حق ہو یا ہر لحاظ سے باطل ہو۔ کیونکہ ہر باطل میں کچھ نہ کچھ خوبیاں بھی ضرور ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہر حق میں کوئی نہ کوئی خامی ضرور ہوتی ہے۔ اگر وہ ایک وجہ سے حق ہے تو ایک اعتبار سے باطل ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی شے ہر لحاظ سے باطل ہو اور اس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ لیکن ہر لحاظ سے حق ہونا یہ ممکن ہے اور خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اس لئے کہ خدا تعالی واجب الوجود ہے اور ہماری بحث ممکنات سے ہے نہ کہ واجب الوجود سے۔

اور کبھی اقوال پر بھی قول کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں یہ قول حق ہے اور یہ قول باطل ہے۔ اور سب سے احق قول لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔

اس اسم سے بندے کا نصیب یہ ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ ہر شے کو باطل سمجھے۔ کیونکہ بندہ اگر حق بھی ہے یعنی اس کا وجود ثابت ہے تب بھی اس کا وجود وجود نہیں۔ کیونکہ وجود اس شے کا ہوتا ہے جو بذاتہ موجود ہو۔

اور اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو اور بندہ کا وجود خدا کا محتاج ہے تو ہر لحاظ سے بندہ کا وجود وجود نہیں۔ اور یہی تمام مخلوقات کا حال ہے۔ اسی لئے حضور اکرم علیہ السلام نے لبید کے شعر کی تعریف فرمائی۔

اِس اسم کا نصیب یہ ہے کہ بندہ ذکر اللہ اور احکامِ خداوندی پر عمل پیرا ہو اور اس کے علاوہ ہر شے کو دل سے نکال دے۔ اسے ہر ہر ذرے میں جلوۂ خداوندی نظر آتا ہو جسے صوفیا، فنا فی اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

وظائف

جو شخص ایک مربع کاغذ کے چاروں کونوں پر اس اسم کو لکھے اور ہتھیلی پر رکھ کر اسے سحر کے وقت آسمان کی طرف بلند کرے اللہ تعالیٰ اسے مصائب سے محفوظ رکھے گا۔

اور جو شخص لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ روزانہ سو بار پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل سے غنی فرمائیں گے۔ اور جو شخص اس اسم کو ایک ہزار بار پڑھے گا اس کے اخلاق عمدہ ہو جائیں گے۔

الوکیل

بندوں کے کاموں کو قائم فرمانے والا۔ اور ان کے لئے ان اشیاء کو مسخر فرمانے والا جن چیزوں کی انسانوں کو ضرورت پیش آتی ہے۔ یا بندوں کے ذمہ کاموں کو سپرد فرمانے والا۔ یا ان کے تمام امور کا ذمہ دار۔ انسان کو بھی وکیل اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے ذمہ کام سپرد کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے امور کا آپ ذمہ لیا ہے اسی لئے وہ ہر لحاظ سے وکیل ہے۔

اور اسی نام سے بندے کا نصیب بھی ظاہر ہے کہ تمام امور اسی کے سپرد کئے جائیں۔ اور ہر کام میں اسی پر توکل کیا جائے۔ اور دوسرے انسانوں کی مدد کرے اور ان کی حاجت روائی میں گریز نہ کرے۔ کیونکہ ہر ایک خدا کی جانب سے ایک دوسرے کا وکیل ہے۔

وظائف

جو شخص اس اسم کی کثرت سے تلاوت کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر رزق اور بھلائی کے دروازے کشادہ فرمائے گا۔

القوی — المتین

جو شے اپنی ذات وصفات اور افعال میں کوئی ضعف و کمزوری نہ رکھتی ہو اسے قوی کہتے ہیں۔ اور متین وہ ذات ہے جسے قوت میں اتنا کمال حاصل ہو کہ اس کے کسی کام میں بھی کوئی معارض و مقابل نہ ہو سکے۔ اور اس کے حکم کو کوئی روکنے والا نہ ہو۔ اور کبھی اس کی قوت میں ضُعف نہ آئے۔ اور یہ صفت اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے کیونکہ ہر صفت میں کمال صرف اسی کو حاصل ہے۔ اور قوت قدرتِ کاملہ کو ثابت کرتی ہے اور متانت شدتِ قوت پر دلالت کرتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کامل القوت اور جامع القدرت ہے۔ اسکی مزید تشریح ہم القادر کی شرح میں ذکر کریں گے۔

وظائف

اگر کوئی شخص مظلوم ہو اور ظالم کی ہلاکت کے ارادے سے القوی پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے اس کے شر سے محفوظ فرمائے گا لیکن اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ عداوت و حسد کی بنا پر اس نے اسے ظالم تصور کیا ہو اور اس کا گناہ پڑھنے والے کے ذمہ لازم آئے۔

جو شخص لڑکا یا لڑکی پر المتین دس بار پڑھے گا تو وہ بچہ فسق و فجور اور گناہوں سے محفوظ رہے گا۔

الوَلِیُّ

مددگار دوست۔ تمام مخلوقات کے امور کا کارساز۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ (الجاثیۃ) اور اللہ متقین کا کارساز ہے۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (البقرہ) یقیناً اہل ایمان کا ولی اللہ ہے۔

یعنی اپنے نیک بندوں اور مؤمنین کا مددگار و کارساز ہے کہ ان کی شان کو بلند فرماتا، دشمنوں سے ان کو محفوظ فرماتا اور ہر حال میں ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ برخلاف کفار کے کہ ان کی صیانت و حفاظت نہیں فرماتا۔ اس لئے ارشاد ہے:۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کیونکہ مؤمنین کا مولیٰ تو اللہ ہے۔ اور کافروں
وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی کا کوئی مولیٰ نہیں۔
لَھُمْ ۝ (محمد)

مولیٰ اسی ولی سے مشتق ہے اور دونوں ہم معنی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ صفت مؤمنین کے ساتھ خاص ہے۔ جیساکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ احد میں ارشاد فرمایا:۔

اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ (بخاری) اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں

اور انسانوں میں ولی وہ ہے جو اللہ اور اللہ کے دوستوں سے محبت کرتا اور اللہ کے دین کی حمایت کرتا ہو اور اللہ کے دشمنوں سے عداوت رکھتا

ہو اور اس کا کوئی کام خلافِ شریعت نہ ہو۔ اور امورِ دینیہ اور اس کے اسرار سے منجملہ واقف ہو۔ اور اپنے نفس اور شیطان کا دشمن ہو۔

کارِ یزداں می کند نامش ولی
گر ولی اینست، رحمت بر ولی

اس اسم کا نصیب یہ ہے کہ اپنی تمام خدمت مولیٰ میں صرف کرے اور اس طرح خدا کا دوست بن جائے۔ اور اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کر دے کیونکہ اس کے علاوہ نہ کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار۔

مَالَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ اے نبی اللہ کے علاوہ آپ کا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار۔

وظائف

جو شخص شبِ جمعہ میں اس اسم کو ایک ہزار بار پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے گا۔

جو کوئی اس اسم کی کثرت کرے گا خلقت کے رازوں سے واقف ہو گا۔

جو شخص اپنی بیوی کی عادتوں سے خوش نہ ہو اس کے سامنے جاتے وقت اس اسم کو کثرت سے تلاوت کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے نیک خصلتیں عطا فرمائے گا۔

الحمید

حمد سے مشتق ہے جس کے معنیٰ تعریف کرنے کے آئے ہیں اور حمید محمود
کے معنی میں مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی جو ہر طرح تعریف کا مستحق ہو۔ کیونکہ وہ ہر کمال
وخوبی سے متصف ہے۔ اور تمام مخلوق کا مولیٰ ہے۔ وہ اپنی ذات کے
لحاظ سے بھی حمید ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ اپنی تعریف اپنے آپ بھی فرماتا
ہے۔ اور بندے بھی ہمیشہ اس کی تعریف کرتے رہیں گے۔ اور ہر شے اپنی
زبانِ حال وقال سے اس کی حمد کرتی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (رعد)

کوئی شے ایسی نہیں جو حمدِ خداوندی کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

اور انسانوں میں حمید اسے کہا جاتا ہے جس کے عقائد و اخلاق اور
اقوال و افعال تعریف کے قابل ہوں اور ان میں کسی قسم کا نقص نہ پایا جاتا
ہو۔ اور یہ مقام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء اور صحابہ و علماء و صلحاء کو
شامل ہیں۔ ان میں سے اگرچہ ہر ایک حمید ہے لیکن درجات و فضائل میں
تفاوت ہے۔

اور جب یہ معلوم ہو چکا کہ کوئی انسان نقص سے خالی نہیں۔ چاہے اس
میں کتنی ہی خوبیاں کیوں نہ پائی جاتی ہوں۔ لیکن ایک نہ ایک نقص ہونا ضروری
ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ایسی ذات نہیں جو نقائص سے خالی ہو۔
اس لئے حمید مطلق بھی وہی ہے۔

بندے کا فرض ہے کہ ہمہ وقت حمدِ خداوندی میں مصروف رہے اور اس
کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے۔ کیونکہ بندہ جتنا بھی خدا کا شکر کرے وہ
کم ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کے لئے ہر سانس پر
دو شکر واجب ہوتے ہیں۔ ایک سانس باہر آنے پر ایک اندر جانے پر۔
اور اپنے میں اوصافِ حمیدہ پیدا کرے تاکہ وہ بھی مخلوق میں تعریف کے
قابل ہو سکے۔

وظائف

جو شخص ۴۵ روز تک متواتر ۹۳ بار خلوت میں اسے پڑھتا رہے گا اللہ
تعالیٰ اس میں اخلاق حمیدہ پیدا فرمائے گا۔

المُحصِی

یہ احصار سے بنا ہے جس کے معنیٰ گھیر لینے کے آتے ہیں۔ یعنی ہر شے کو اپنے علم کے احاطہ میں لینے والا۔ یا وہ قادر جس کی قدرت سے کوئی شئے باہر نہ ہو۔ اور محصی مطلق صرف ذاتِ خداوندی ہے جس کے علم میں ہر شے کی حد و انتہا، اور اس کی تعداد و کیفیت موجود ہے۔ اور یہ صفت اللہ کے علاوہ اور کسی میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ انسان بعض اشیار کے علم کا تو احاطہ کرسکتا ہے لیکن اکثر اشیار کے احاطہ سے وہ عاجز ہوتا ہے اور ان سے جاہل ہوتا ہے۔ کیونکہ احاطہ علم پر موقوف ہے، اور علمِ انسانی محدود ہے۔ اور علمِ خداوندی کی کوئی حد نہیں۔ اور یہی باعث ہے کہ انسان بہت سی اشیار کو بھول جاتا ہے اور قیامت کے روز بھی بھولے گا لیکن اللہ تعالیٰ ایک چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ظاہر فرمادیگا۔

بندہ کے لئے اس میں یہ درس ہے کہ وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرے اور یہ سوچے کہ اس نے آج کتنے افعال بد کئے ہیں جن کا ترک کرنا ضروری ہے۔

وظائف

جو شخص روٹی کے بیس ٹکڑوں پر بیس بار اس اسم کو پڑھ کر کھائے گا مخلوق اس کی مسخر ہوگی۔

المُبدِئُ ـــ المُعِیدُ

مبدئُ وہ ذات ہے جو تمام اشیار کو عدم سے وجود میں لائی۔ مبدئ کی پوری تفصیل خالق و باری کے تحت گذر چکی۔ اور معید وہ ذات ہے جو تمام مخلوقات کو فنا ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ فرمائے گی اور فنائے انسانی کی کیفیت ہم الباعث میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

اور ابدار کے معنیٰ لغت میں نئی شے کو وجود میں لانے کے ہیں۔ اور چونکہ مخلوقات کی خلقت سے قبل اس کا وجود نہ تھا اس لئے خدا کا نام مبدئ ہوا۔ اور اسی باعث انسان کو مبدئ نہیں کہا جاتا کہ وہ ہمیشہ اپنی صنعت و حرفت میں معمولی سی ترمیم کے ساتھ اپنے سے اول کی نقل کرتا ہے۔ اور جب کسی شے سابق کو توڑ دینے کے بعد بعینہٖ اسی طرح وجود میں لایا جاتا ہے تو اسے اعادہ یعنی لوٹانا بولتے ہیں جس سے معید بنا ہے۔ یعنی ہر شے کو اس کی حالت اول پر لوٹانے والا۔ اسی اسم سے یہ بات بھی حل ہوگئی کہ قیامت کے روز اسی جسم کو لوٹایا جائے گا۔ کوئی نیا جسم نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کی بے شمار مثالیں ظاہر فرمائیں جیسا کہ تیسرے پارے کی ابتدا میں حضرت عزیر علیہ السلام کے زندہ کرنے کا واقعہ موجود ہے۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ
وَّھِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا
قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ
بَعْدَ مَوْتِھَا فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ
مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ قَالَ
كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ
یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ
بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ
فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ
لَمْ یَتَسَنَّہْ وَانْظُرْ اِلٰی
حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً
لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ
كَیْفَ نُنْشِزُھَا ثُمَّ نَكْسُوْھَا
لَحْمًا فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ قَالَ
اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی كُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

(البقرہ)

یا اس شخص کی طرح جس کا ایسے گاؤں پر گذر ہوا جو اپنی چھتوں پر گرا ہوا تھا کہنے لگا اللہ اس کے فنا ہو جانے کے بعد اسے کیونکر زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سو سال تک مردہ رکھ کر پھر زندہ کیا۔ اور فرمایا تو اس حالت موت میں کتنے دن رہا۔ اس نے عرض کیا ایک دن یا اس سے بھی کم۔ فرمایا بلکہ تو سو سال تک اس حال میں رہا ہے۔ اب ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کی جانب دیکھ کہ وہ خراب تک نہیں ہوئیں اور اپنے گدھے کی طرف بھی دیکھ تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لئے نشانی بنائیں اور ہڈیوں کی جانب دیکھ کہ ہم انھیں کیونکر جوڑتے اور ان پر کیونکر گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب اس پر یہ شے ظاہر ہوئی تو کہنے لگا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اِس وقوعہ سے چند باتیں ظاہر ہوئیں۔

پہلی۔ انبیائے کرام علیہم السلام اور دیگر انسانوں کو مرنے کے بعد کسی

شے کی خبر نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر انبیاء کو موت کے بعد علم ہوتا تو حضرت عزیر علیہ السّلام یہ نہ فرماتے کہ میں ایک روز یا کچھ روز مردہ رہا۔ بلکہ سو سال فرماتے۔

دوسری۔ خدا تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ فنائے جسم کے بعد پھر اسی جسم کو سو سال بعد دوبارہ پیدا فرما دے۔ جیسا کہ گدھے کا حال ہوا تھا۔

تیسری۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ موت کے بعد جسم کو بھی علیٰ حالہ باقی رکھے اور اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل واقع نہ ہو جیسے کہ حضرت عُزیر علیہ السلام کا جسم سالم رہا۔

چوتھے انبیاء کرام کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی جیسا کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ (نسائی)

اللہ تعالیٰ نے مٹی پر انبیائے کرام کے جسم کھانے کو حرام فرمادیا ہے۔

پانچویں اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ گلنے اور سڑنے والی شے کو بھی سو سال تک گلنے اور سڑنے نہ دے۔

چھٹے یہ امر ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسم کو لوگوں کی نگاہوں سے ایک عرصہ دراز تک پوشیدہ رکھنے پر بھی قادر ہے۔

ساتویں یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی خلقت میں کوئی دیر نہیں

لگتی اور نہ اس کے لئے اسباب مہیا کرنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ بلا اسباب بھی وہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ جیسا کہ گدھے کو دوبارہ زندہ فرمایا۔

آٹھویں یہ بات ظاہر ہوئی کہ انبیائے کرام علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے بلکہ انہیں جن اشیاء کا علم دیا جاتا ہے وہی معلوم ہوتی ہیں۔

اور جو ذات اوّل بار پیدا کرنے پر قادر ہو وہ اس کے رجوع پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہو گی۔ کیونکہ کسی شئے کا اعادہ اس کے اول بار پیدا کرنے سے سہل ہوتا ہے۔ اور چونکہ تمام اشیاء کی ابتدا اسی کی ذات سے ہوئی تو اعادہ بھی وہی فرمائے گا۔

بندے کے لئے اس میں یہ سبق ہے کہ تمام امور خدا تعالیٰ کے سپرد کرے اور راضی برضائے مولیٰ ہو۔

وظائف

جو شخص سحر کے وقت المبدئ کو ۹۹ بار حاملہ کے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر پڑھے گا تو اس کا حمل ضائع ہونے سے محفوظ رہے گا۔ اور جب تک بچہ کامل نہ ہوگا وضع حمل نہ ہوگا۔

جو شخص المعید کی کثرت کرے گا اسے بھولی ہوئی باتیں یاد آجائیں گی۔ اور جو شخص اس اسم کا ایک ہزار بار ذکر کرے گا اسکی حیرت دور ہوگی۔ اور ہدایت حاصل ہوگی۔

المُحْیِی المُمِیْتُ

ہر شئے میں زندگی اور رُوح پیدا فرمانے والا۔ اور ممیت ہر مرنے والی شئے کے لئے موت کو پیدا فرمانے والا۔ اور احیاء و ممات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا خاصہ ہے۔ اس کے علاوہ نہ کوئی زندہ کرنے پر قادر ہے، نہ مارنے پر۔

هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ — وہی ذات ہے جو زندہ کرتی اور مارتی ہے اور

وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ (یونس) — اسی کی جانب تم لوٹ کر جاؤ گے۔

اور چونکہ حیات و موت اس کی مشیت اور ارادے پر موقوف ہے۔ اور اپنی مشیت کا اظہار وہ خود ہی فرما سکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسکے لئے اسباب پیدا فرمائے۔ اور ان ظاہری اسباب کو دیکھ کر انسان یہ سمجھتا ہے کہ فلاں کی موت فلاں کے ہاتھ سے ہوئی۔ حالانکہ اس کی موت مقدّر میں نہ ہوتی تو یہ اس کے قتل پر قادر نہ ہوتا۔ اور چونکہ وہ اشیاء کی تاثیر سلب کرنے پر بھی قادر ہے تو ہو سکتا ہے کہ جو شئے قتل کا باعث ہو اس سے ایک وقت میں قتل کی تاثیر سلب کر لی جائے۔

اس مسئلہ کو یوں سمجھ لیجئے کہ زہر کی تاثیر انسان کو ختم کرنا اور تریاق کی تاثیر زہر کے اثر کو دور کرنا ہے۔ اور انسان کا تجربہ بھی یہی ہے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ زہر کی تاثیر تریاق میں پیدا کر دی جائے۔ اور تریاق کی تاثیر زہر

یں - اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں میں کوئی تاثیر باقی نہ رہے - یعنی نہ زہر زہر
رہے، اور نہ تریاق تریاق - جیسے کہ حضور اکرم علیہ السلام کو زہر دیا گیا اور ایک
صحابی نے اس زہر کے اثر سے انتقال فرمایا - لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا - یا جیسے حضرت خالد سے کفار نے مطالبہ کیا کہ اگر
تمہارا دین سچا ہے تو تم زہر پی کر دکھاؤ - حضرت خالد نے زہر کی بھری ہوئی
شیشی پی لی اور کوئی اثر نہ ہوا - یہ بھی ہمارے تجربہ میں عام طور پر آتا
ہے کہ دو اشخاص ایک ہی مرض میں مبتلا ہیں - اور ایک پر ایک دوا اثر
کرتی ہے اور دوسرے پر نہیں کرتی - اس لئے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی
شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اصل تاثیر دوا میں ہے اور اسی کے اثر سے
مرض کا ازالہ ہوتا ہے اور خدائے واحد لایزال کی قدرت کاملہ پر کوئی
بھروسہ نہ ہو یا اس قسم کے الفاظ استعمال کرے جس سے قدرت خداوندی
کا اظہار نہ ہوتا ہو - مثلاً بیمار فلاں حکیم کے علاج سے صحت یاب ہوا -
یہ شرک فی الاسباب ہے -

دوسری شکل مسئلے کی یہ ہے کہ جب کسی شے میں تاثیر نہیں تو علاج
بے سود ہے - صرف خدا پر توکل کافی ہے - جیسا کہ بعض جاہل صوفیاء کہتے
ہیں - اس صورت میں یہ تمام کاروبار دنیا معطل ہو جائے گا - اور اعمالِ صالحہ
کی بھی کوئی ضرورت نہ رہے گی - حالانکہ مسئلہ کی اصل صورت یہ ہے کہ
اسبابِ ظاہرہ پر اس نیت سے عمل پیرا ہو کہ حکمِ خداوندی ہے -

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم) تحقیق انسان کیلئے وہ شے ہے جسکی وہ کوشش کرے

اور اس کا نتیجہ اور انجام دستِ قدرت میں ہے یعنی ازالہ مرض کیلئے
حکمِ خداوندی کے مطابق علاج بھی کرے اور شفا قدرت کی جانب سے سمجھے
اسی طرح اس شے کو بھی سمجھ لیجئے کہ جو اشخاص یہ خیال کرتے ہیں کہ ایک کی
بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے - مثلاً دق، جذام، خارش وغیرہ - یہ بھی عین کفر
ہے جیسا کہ آج کل کے ڈاکٹروں کا خیال ہے - کیونکہ انہوں نے ان بیماریوں
کو مؤثر بالذات تصور کیا - اور مؤثر بالذات سوائے خدا کے کوئی نہیں جس ذات
نے اول میں اس بیماری کو ظاہر فرمایا - وہی دوسرے شخص میں بھی اس بیماری
کا خالق ہے - حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک
اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ایک اونٹ کو خارش ہو گئی
تھی اس کی وجہ سے سب کو خارش ہو گئی - آپ نے غصہ سے ارشاد فرمایا :-

فَمَنْ اَجْرَبَ الْاَوَّلَ (ترمذی) پہلے کو خارش کس نے لگائی -

یعنی جس نے اول میں پیدا کی تھی اسی نے دوسرے میں بیماری پیدا
کی - اس لئے طاعون سے بھاگنے کو منع کیا گیا اور قرآن میں دوسرے پارے
میں یہود کی ایک جماعت کا ذکر ہے جو طاعون سے بھاگی تھی اور جسکی تعداد
ستر ہزار تھی - جب کہ وہ طاعون کے علاقہ سے نکل آئی - تو

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ — پس اللہ تعالی نے ان سے فرمایا تم سب مر
اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ — جاؤ پھر انہیں دوبارہ زندہ فرمایا یقیناً اللہ لوگوں
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ (بقرہ) — پر بہت فضل فرمانے والا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں شکر کرتے

یعنی طاعون یا کسی اور مرض لاعلاج سے موت واقع نہیں ہوتی بلکہ

موت دینے والا وہی ممیت ہے جو موت کا خالق ہے۔ اسکی قدرت میں
یہ بھی ہے کہ اس طاعون سے موت کے اثرات کو سلب کرے۔ اسی لئے حضورؐ نے ارشاد فرمایا
لَاعَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ (ترمذی) ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی اور نہ بدفالی کوئی شئے ہے
ان تمام امور پر نظر کرنے کے بعد یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ اسباب کی
دو قسمیں ہیں۔ اسبابِ ظاہرہ اور اسبابِ باطنہ۔

اسبابِ ظاہرہ تو وہ ہیں جن پر انسان کی نظر رہتی ہے۔

اسباب باطنہ وہ ہیں جو قدرت نے اسکی موت یا تکلیف کا سبب
بنائے ہیں۔ یعنی علم وحکمِ خداوندی۔ اور اصل سبب یہی ہے جس تک کسی
انسان کی رسائی نہیں۔ وہ اسبابِ ظاہر کو اصل شئے تصور کرتا ہے۔ اور
آخر کار اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قدرتِ خداوندی کا منکر ہو جاتا ہے۔
اور یہ کاروبارِ دنیا اسبابِ پر مبنی سمجھتا ہے۔ اس کی نظروں میں نہ کوئی خالق رہتا
ہے نہ قادر۔ بلکہ تمام زمین وآسمان اسباب کی بنا پر خود بخود ظہور پذیر ہو جاتے
ہیں۔ اعاذنا اللّٰہ عن ذٰلک۔

اس سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکایت مشہور ہے کہ ایک
دفعہ ان کے سر میں سخت درد ہوا۔ خدا تعالیٰ سے درخواست کی اے میرے
مولیٰ میرے سر میں درد ہے اس کا کیا علاج کروں۔ حکم ہوا فلاں بوٹی گھس کر
لگا لو درد جاتا رہے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر عمل فرمایا، درد جاتا رہا۔
کچھ روز بعد دوبارہ پھر درد ہوا۔ جنگل جا کر وہ بوٹی لاتے اور گھس کر لگائی۔ لیکن
اسے جتنا لگاتے درد اور بڑھتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے

خداوندا تو نے مجھے فلاں بیماری کا فلاں علاج بتایا تھا لیکن اب اس علاج سے
کوئی فائدہ نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ پہلے تم نے ہمارے حکم سے علاج کیا تھا۔
اس لئے ہم نے اس بوٹی میں یہ تاثیر پیدا فرمادی تھی کہ درد جاتا رہے اور جب
تم نے ہمارے حکم کے بغیر اسے استعمال کیا تو ہم نے اس کی وہ تاثیر چھین کر درد
پیدا کرنے کی تاثیر ظاہر فرمادی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اس غلطی پر
معافی طلب کی۔

اس تمام مضمون سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ اصل محیی اور ممیت
اور اصل مؤثر بالذات ذات خداوندی ہے۔ اور یہ ظاہری اسباب فی الواقع کوئی
حقیقت نہیں رکھتے۔ اسی لئے محیی اور ممیت صرف ایک ذات خداوندی
ہی ہو سکتی ہے۔ اور کسی میں یہ قدرت نہیں۔ اسی لئے خدا تعالیٰ کو مسبب
بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی اسباب پیدا فرمانے والا۔

اِن ہر دو اسماء میں بندے کا نصیب یہ ہے کہ وہ ہر شے میں مولیٰ کا
تابعدار بن جائے۔ اور تمام امور خدا تعالیٰ کے سپرد کرے۔ اور آرام وتکلیف کو
اسی کی جانب سے سمجھے۔ اور اسی سے تکلیف کے دفعیہ کی درخواست کرے۔

وظائف

جو شخص ۸۹ دفعہ المحیی پڑھ کر اپنے جسم پر دم کریگا قید سے محفوظ رہے گا۔
جسے اسراف کی عادت ہو یا نفس طاعت پر آمادہ نہ ہوتا ہو تو الممیت
کثرت سے تلاوت کرے۔ یہ عادات بد اس سے چھوٹ جائیں گی اور شوقِ
عبادت پیدا ہو گا۔

اَلْحَیُّ

جو ذات حیاتِ دائمہ کے ساتھ متصف ہو۔ جسے کبھی کوئی آفت لاحق نہ ہو۔ جسے ازل و ابد میں کبھی فنا نہ ہو۔ جس کے وجود کے بغیر اس عالم کا وجود باقی نہ رہتا ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں۔ حی وہ ذات ہے جو تمام امور انجام دیتی اور ان کا ادراک کرتی ہے۔ کیونکہ جس ذات میں نہ کوئی ادراک ہو اور نہ کوئی فعل انجام دیتی ہو وہ مردہ ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے لئے موت وفنا محال ہے۔

بندہ کا نصیب یہ ہے کہ خدا کے سامنے ایسا بن جائے جیسا کہ نہلانے والے کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے۔ وہ جیسے جی چاہے تصرف کرے۔

وظائف

جو شخص اس اسم کی یومیہ تین ہزار بار تلاوت کریگا وہ کبھی بیمار نہ ہوگا۔

جو شخص اس اسم کو چینی کے برتن میں مشک اور گلاب سے لکھ کر اور میٹھے پانی سے دھو کر پیئے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر مرض سے شفا عطا فرمائیں گے۔

اَلْقَیُّوْمُ

جو اپنی ذات میں خود بخود قائم ہو اور اپنے قیام میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ اور دوسرا اس کے بغیر قائم نہ رہ سکتا ہو۔ اور تمام مخلوقات کے امور کا وہی بندوبست فرماتا ہے اور اس آیت میں یہی معنیٰ موزوں معلوم ہوتے ہیں۔

هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ	زندہ اور عالم کا بندوبست فرمانے والا ہے،
سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي	اسے اونگھ اور نیند کبھی نہیں دبا تی جتنی چیزیں
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ	آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سب اسی کی
(البقرۃ)	مِلک ہیں۔

یاد رکھیے کہ اشیاء تین قسم پر مبنی ہیں۔

اول وہ اشیاء ہیں کہ جو اپنے وجود میں محل کی محتاج ہیں یعنی محل و مقام کے بغیر ان کے وجود کا سوال ہی نہ ہو۔ جیسے رنگ و بو وغیرہ کہ وہ اپنے وجود میں اس چیز کی محتاج ہیں جس میں رنگ و بُو پایا جائے یا جیسے طول و عرض، گہرائی وغیرہ۔ یہ سب چیزیں محل کی محتاج ہیں۔ مثال کے طور پر۔ تالاب میں گہرائی بھی ہے، طول و عرض بھی ہے۔ لیکن اگر تالاب کا وجود نہ ہو تو نہ طول و عرض باقی رہے گا نہ گہرائی۔

دوسری وہ اشیاء ہیں جو محل کی محتاج نہ ہوں۔ جیسا کہ تمام اجسام ہیں۔ اور انسان بھی اسی میں داخل ہے۔ لیکن اس قسم کی تمام اشیاء کے لئے کسی نہ کسی اور دیگر اشیاء کی ضرورت پیش آتی ہو۔ اور ان امور کے وجود کے بغیر اس کا وجود نہ ہو۔ اگرچہ یہ شئے خود بخود قائم ہو لیکن اپنے وجود میں دوسرے کی محتاج ہو۔

تیسری قسم یہ ہے کہ وہ شے اپنے وجود میں دوسرے کے وجود سے مستغنی ہو اور اپنے آپ خود قائم ہو اور کسی کی محتاج نہ ہو۔ اور نہ اسکے وجود کے لئے کسی اور شے کا وجود شرط ہو۔ بلکہ ہر شے کا وجود اس کے وجود سے متعلق ہو۔ اور اس شے کے بغیر اس کا وجود ممکن نہ ہو۔ تو ایسی شے کو قیوم کہا جاتا ہے۔ اسی لئے قیوم بجز ذاتِ خداوندی کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اپنی ذات میں کسی کا محتاج نہیں اور ہر شے اپنے وجود میں اس کی محتاج ہے۔

بندہ کا اس میں نصیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر شے سے بے پروا اور بے نیاز ہو جائے۔ اور اس کے دل میں سوائے ذاتِ خداوندی کے کسی کی محبت باقی نہ رہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ اسم اسمِ اعظم ہے۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اسمِ اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (البقرۃ) — تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ رحمٰن و رحیم ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (البقرۃ) — اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ حی قیوم ہے۔

اور منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کے ساتھ مصر سے نکلے اور دریائے نیل پر پہنچے۔ ان سے ان کی قوم نے اسم اعظم کے بارے میں سوال کیا۔ تاکہ اس اسم کی برکت سے دریا کو پار کر سکیں۔ انہوں نے فرمایا۔

آھیا شراھیا

یہ عبرانی زبان کے الفاظ ہیں جن کا ترجمہ یا حیّ یا قیوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان اسماء کی برکت سے غرق ہونے سے نجات عطا فرمائی۔

وظائف

جو شخص یا قیوم کا ذکر کرے گا اس سے نیند کا غلبہ جاتا رہے گا۔

جو شخص صبح سے سورج طلوع ہونے تک یا حی یا قیوم کا ورد کرتا رہیگا اس کی طبیعت میں مستعدی پیدا ہو اور سستی و کاہلی دور ہوگی۔

جو شخص دریا میں سفر کے دوران ان ہر دو اسماء کی تلاوت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے غرق ہونے سے محفوظ فرمائیں گے۔

الواجد

واجد وہ ذات ہے کہ جس کام کا ارادہ کرے اس شے کو اپنے سامنے حاضر و موجود پائے۔ اور اس سے کوئی شے غائب نہ ہو۔ اور واجدِ مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ایسی مخلوق یا ہستی نہیں جس کے سامنے ہر شے حاضر و موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ (الحجر) کوئی شے ایسی نہیں۔ جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں۔

انسان کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنی ذات میں وجدان و حضور کی کیفیت پیدا کرنے کی سعی کرے۔ یعنی کوئی کام مرضیٔ مولیٰ کے بغیر نہ تو انجام دے اور نہ اسے اس کی منشا کے بغیر ترک کرے۔

وظائف

جو شخص کھانے کے لقمہ پر اس اسم کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو قوت عطا فرمائیں گے۔

الماجد

ماجد مجد سے مشتق ہے۔ جس کے معنیٰ انتہائی عزت و شرف کے ہیں۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا نام اس باعث ہے کہ وہ تمام موجودات میں سب سے بلند قدر ہے اور سب سے زیادہ شرف کا مالک ہے بلکہ تمام موجودات کا شرف اسی کی ذات سے وابستہ ہے۔ اور یہ اسم دراصل مجید کے معنیٰ میں ہے۔ لیکن مجید کے معنیٰ میں اس سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ دونوں ہم معنیٰ ہیں اسی باعث اس کی تشریح المجید کے تحت کی جا چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالی جائے۔

بندہ کو چاہیے کہ خلق سے اپنی تمام امیدیں منقطع کر کے ذاتِ خداوندی سے وابستہ کرے۔ کیونکہ تمام عزت و شرف اسی کے دستِ قدرت میں ہے اور اسی کی عطا سے حاصل ہو سکتا ہے۔

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (النساء) پس تمام عزت اللہ ہی کے لئے ہے۔

وظائف

جو شخص خلوت میں اس اسم کی اتنی کثرت کرے کہ اس پر حال طاری ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو نور ہدایت و عرفان سے منور فرمائیں گے۔